تذکرۃ المحدثین

جلد اوّل

مرتبہ

مولوی ضیاء الدین اصلاحی

○

نیشنل بک فاؤنڈیشن

اسلام آباد

لاہور - راولپنڈی - ملتان - کراچی - سکھر - پشاور - کوئٹہ

ایسی صورت میں کون شخص یہ پسند کرے گا کہ وہ امامت اور خلافت میں ان سے سبقت لے جائے انہوں نے جواب دیا کہ ہم ابوبکرؓ پر اپنے کو ترجیح دینے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں[1]"

یہ مثالیں ان کی شیعیت کی تردید کے لئے کافی ہیں البتہ دو باتیں قابل بحث ہیں ایک حضرت علیؓ کی محبت وعقیدت میں غلو دوسرے حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق سخت الفاظ کا استعمال۔ پہلے کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی محبت میں کوئی ایسا غلو ناپسندیدہ نہیں ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہو۔ بلکہ اہل بیت کی محبت تو جزو ایمان ہے امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی مسلک تھا امام احمد کی حضرت علیؓ سے عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے شیخ ابوزہرہ مصری تحریر فرماتے ہیں،

"اس معاملہ میں ان کا وہی مسلک تھا جو ان کے استاد امام شافعی کا تھا امام شافعیؒ حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب میں روایت کرتے تھے اور ان سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ کے مقابلہ میں جب تفضیل کا سوال آتا ہے تو وہ حضرت ابوبکرؓ کو سب پر ترجیح دیتے تھے ان کا قول ہے کہ "معاملہ ہمارے جذبات کا تابع نہیں ہے[2]"

امام شافعیؒ کی ہی جانب یہ شعر بھی منسوب ہے،

ان کان رفضا حب آل محمدؐ فلیشھد الثقلان انی رافض

(ترجمہ) اگر اہل بیت سے محبت کرنا شیعیت ہے تو جن انس دونوں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں امام نسائی کے الفاظ جو سخت ہیں وہ بہرحال مسابل ہیں اور ان کے فضائل میں بھی روایتیں ہیں اور اگر نہ بھی ہوتیں تو صحابیت کے عموم میں جو روایتیں ہیں ان کے رو سے بھی ان کی فضیلت مسلم ہے لیکن امام نسائی کے قول کی یہ توجیہہ ہو سکتی ہے،

(۱) حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی فضیلت مسلم ہے ان کو کسی حیثیت سے بھی حضرت علیؓ کے ہم پایہ قرار نہیں دیا جا سکتا یہ جمہور امت کا متفقہ فیصلہ ہے امام نسائی نے شام کے لوگوں کو اس کے برخلاف دیکھا اس لئے جناب امیرؓ کے فضائل و مناقب بیان کرنے میں غلو سے کام لیا ایسے حالات میں قدرتی طور پر

---

[1] سنن نسائی ج ۲ [2] احمد بن حنبل مترجم رئیس احمد جعفری

Marfat.com

تشدد اور غلو پیدا ہو ہی جاتا ہے اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ کی شان میں ان سے بعض نا ب الفاظ بھی نکل گئے۔

(۲) امام نسائی کو حضرت علیؓ سے غیر معمولی محبت وعقیدت تھی مگر جب وہ شام گئے تو وہاں ان کے خلاف سوا ظن کی عام فضا دیکھ کر ان کے فضائل ومناقب بیان کرنا شروع کر دیئے جو بنی امیہ کے حامیوں کو ناگوار معلوم ہوئے اور انہوں نے امام نسائی سے امیر معاویہؓ کے فضائل بیان کرنے کی فرمائش کی۔ امام صاحب نے یہ سمجھا کہ جناب امیرؓ سے بدگمانی کا اصل سبب حضرت امیر معاویہؓ سے فرط عقیدت اور غیر معمولی شیفتگی ہے اس کو دور کرنے کے لئے انہوں نے ان کی شان میں مذکورہ بالا باتیں کہہ دیں جن سے ان کا منشا امیر معاویہؓ کی مذمت نہ تھا بلکہ حضرت علیؓ کے فضائل ومناقب کا پوری طرح اظہار اور امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں ان کی اہمیت وعظمت کے اثبات میں تھا"

(۳) حافظ ابن حجر وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نسائی کے نزدیک حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں اس لئے انہوں نے لوگوں کے مطالبہ پر بھی کوئی حدیث نہیں بیان کی مگر جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو ان کو غصہ آگیا اور ان کی زبان سے بعض سخت الفاظ نکل گئے لیکن غیظ وغضب کی حالت میں جو باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔

غذا اور لباس امام نسائی بڑے خوش خوراک وخوش لباس تھے رنگین اور قیمتی کپڑے پہنتے تھے اور کھانا نہایت پرتکلف کھاتے تھے مرغ خرید کر پالتے تھے خوب فربہ ہو جاتے تو ذبح کراتے روزانہ مرغ کھانے کے بعد نبیذ حلال پیتے تھے[1]۔ ان کا رہن سہن نہایت اعلیٰ اور معاشرتی زندگی بڑی پرشکوہ تھی۔

خاندانی وجاہت امام صاحب کی معاشرت اور رکھ رکھاؤ سے اندازا ہوتا ہے کہ وہ ایک معزز اور صاحب حیثیت گھرانے کے چشم وچراغ تھے ابن عماد کا بیان کیا کہ" وہ نہایت نجیب وشریف، رئیس، خوش وضع اور عظیم المرتبت تھے[2]"

وفات امام نسائی کو شامیوں کی مار پیٹ سے اتنا صدمہ پہنچا کہ اسی کے اثر سے ۳۰۳ھ میں اٹھاسی سال

---

[1] تذکرہ ج ۲ والبدایہ والنہایہ ج ۱۱ [2] شذرات الذہب ج ۲

کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا جب ان کو اپنی موت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے اپنے اصحاب و رفقاء سے خواہش ظاہر کی کہ انہیں مکہ لے چلیں بعض مورخین کا بیان ہے کہ راستہ میں مرد کے مقام پر ان کی وفات ہوگئی اور وہیں دفن کئے گئے لیکن بعض نے لکھا ہے کہ وفات مکہ میں ہوئی اور صفا و مروہ کے درمیان دفن کئے گئے۔

علامہ ابن کثیر نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ بیت المقدس میں دفن کئے گئے مہینہ کی تعیین میں اختلاف ہے بعض نے شعبان اور بعض نے صفر کا مہینہ لکھا ہے[1]

ازواج واولاد ان کی چار بیویاں اور دو لونڈیاں تھیں[2] حافظ ابن حجر نے ان کے تلامذہ کے تذکرہ میں ایک صاحبزادے عبدالکریم کا نام بھی تحریر کیا ہے

حلیہ بڑے وجیہہ و شکیل تھے چہرہ نہایت شاداب اور شمع کی طرح پرنور تھا بڑھاپے میں بھی جسم اور چہرے کی تروتازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا[3]

تصنیفات امام نسائی کی جن تصنیفات کا علم ہوسکا وہ حسب ذیل ہیں:

خصائص سیدنا علیؓ۔ اس رسالہ میں حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب بیان کئے گئے ہیں اس کی تالیف کا مقصد امام صاحب نے خود یہ بیان کیا ہے کہ میں جب دمشق آیا تو حضرت علیؓ سے لوگوں کو بیزار پایا اس لئے یہ رسالہ تالیف کیا تاکہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت سے سرفراز کرے[4] لیکن لوگوں نے بدبختی سے اس کو سخت ناپسند کیا اور امام صاحب کو زدوکوب کرکے مسجد سے نکال دیا۔

نمبر۲ مسند علی، مسند[3] مالک، الضعفاء[4] والمتروکین، اس میں ضعیف و متروک الحدیث رواۃ کا حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق ذکر کیا گیا ہے۔

یہ رسالہ امام بخاری کی التاریخ الصغیر اور کتاب الضعفاء الصغیر کے ساتھ مطبع انوار احمدی الٰہ آباد سے ۱۳۲۵ھ میں شائع ہوچکا ہے۔

کتاب[5] الجمعہ، کتاب[6] التمییز، کتاب المدلسین، فضائل الصحابہؓ[7]

السنن۔ امام صاحب نے سنن میں دو کتابیں لکھی تھیں سنن کبریٰ اور سنن صغریٰ، آخرالذکر کتاب

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۱ تذکرہ ج ۲ البدایہ ج ۱۱ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] بستان المحدثین۔

Marfat.com

زیادہ مشہور اور صحاح ستہ میں شامل ہے اور یہ امام مذہب کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف اور ان کا سب سے بڑا اور اہم علمی و دینی کارنامہ ہے اس لئے اس کا مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔

سنن صغریٰ کے دوسرے نام المجتبیٰ اور المجتنیٰ بھی ہیں کیونکہ امام صاحب جب سنن کبریٰ کی تالیف کا کام انجام دے چکے تو امیر رملہ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کی یہ پوری کتاب صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے آپ نے جواب دیا نہیں، امیر نے درخواست کی کہ آپ میرے لئے اس میں سے اعلیٰ درجہ کی حدیثیں الگ کر دیجئے اس درخواست پر امام صاحب نے یہ دوسری کتاب لکھی جس کا نام مجتبیٰ رکھا اور اب یہی سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے[1]۔

سنن کبریٰ کے راوی ابن الاحمر ابو بکر محمد بن معاویہ متوفی ۳۵۸ھ اور سنن صغریٰ کے راوی ابن السنی ابو بکر احمد بن محمد ۳۶۴ھ ہیں علامہ ذہبی نے مجتبیٰ کو امام صاحب کے شاگرد ابن السنی ہی کا اختصار بتایا ہے لیکن خود امام صاحب نے اس کی تردید کی ہے۔

سنن نسائی کی اہمیت کتب صحاح میں جو مقبولیت صحیحین کو حاصل ہوئی وہ دوسری کتابوں کو نصیب نہیں ہو سکی اور عام طور پر سنن نسائی کو ابو داؤد اور ترمذی کے بعد جگہ دی گئی ہے۔ تاہم اس کا نام بھی ان دونوں کے ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے اس لئے قریب قریب یہ بھی ان کے ہم پایہ ہے اور اس کا صحاح ستہ میں شامل ہونا ہی اس کی اہمیت و عظمت کا ثبوت ہے اور جس طرح صحاح کی ہر کتاب بعض خصوصیات کے لحاظ سے دوسری کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے اسی طرح نسائی کی بھی بعض خصوصیات سے دوسری کتابیں خالی ہیں۔

بعض علمائے فن نے صحیحین کے بعد اسی کا درجہ بتایا ہے کیوں کہ اس میں سب سے کم ضعیف روایتیں ہیں اور اس کے رجال زیادہ قوی ہیں قبول روایت کے معاملہ میں امام نسائی کے شرائط کی سختی اس قدر مشہور ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کے شرائط امام بخاری و امام مسلم سے بھی زیادہ شدید ہیں ابو الحسن معافری کا بیان ہے کہ "اگر عام محدثین اور امام نسائی کی احادیث کا موازنہ کیا جائے تو امام نسائی کی حدیثیں

---

[1] بستان المحدثین [2] تذکرہ ج ۲ و شروط الائمۃ الستہ

Marfat.com

دوسروں کی مرویات کے مقابلہ میں صحت سے زیادہ قریب نظر آئیں گی"۔ علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ بعض مغاربہ کے نزدیک اس کو صحیح بخاری پر فوقیت حاصل ہے ابن احمر کا بیان ہے کہ" اس فن کی جملہ تصنیفات میں سنن نسائی سب سے زیادہ افضل واشرف ہے اور اسلام میں ایسی بے نظیر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی"[1]۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ" فنِ رجال کے ماہرین کی ایک جماعت نے ان کو امام مسلم سے برتر قرار دیا ہے اور امام دارقطنی وغیرہ نے ان کو فنِ حدیث اور فن رجال میں امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ پر ترجیح دی ہے"۔ ان اقوال کو اگر مبالغہ پر بھی محمول کیا جائے تو ان سے کم از کم اتنا ثابت ہوتا ہے کہ امام نسائی نے ضعیف ومتروک اشخاص سے کوئی روایت نہیں لی ہے بلکہ امام بخاری اور امام مسلم کی طرح صرف صحیح الاسناد حدیثیں درج کی ہیں اور اس اعتبار سے ان کی تصنیف ان دونوں بزرگوں کے طریقوں کی جامع ہے ابوعبداللہ بن رشید فرماتے ہیں کہ:

وھو جامع بین طریقتی البخاری	سنن نسائی بخاری ومسلم دونوں کے طریقوں کی
ومسلم مع حظ کثیر من بیان	کی جامع ہے اور علل حدیث کا بیان اس پر
العلل[2]	مستزاد ہے۔

خود امام نسائی سے منقول ہے کہ" کتاب السنن کلہا صحیح" یعنی میری کتاب السنن تمام تر صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے امام صاحب نے اس کی تالیف میں جو اہتمام واحتیاط کی ہے اس کا اندازہ ابوالحسن احمد بن محبوب رملی کے اس بیان سے ظاہر ہے وہ فرماتے ہیں کہ" میں نے خود امام صاحب سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں جب میں نے سنن کی جمع وتالیف کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ سے بعض ایسے رواۃ کے متعلق استخارہ کیا جن کے بارہ میں مجھ کو تھوڑا تردد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ ان لوگوں سے میں روایت نہ کروں۔ اس طرح میں نے اعلیٰ سندوں کی حدیثیں ذکر کی ہیں[3]"۔

خصوصیات سنن نسائی کی سب سے اہم خصوصیت اس کی شرائط ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ

" ان لابی عبدالرحمٰن شرط اشد من شرط البخاری ومسلم" یعنی امام نسائی کے شرائط امام بخاری

---

[1] مقدمہ زہر الربی فتح المغیث [2] مقدمہ زہر الربی [3] مقدمہ فتح الباری وشروط الائمۃ الستہ

Marfat.com

مسلم سے بھی سخت ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام نسائی نے نہ صرف بعض ان رواۃ کو نظر انداز کر دیا ہے جن سے امام ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے بلکہ امام بخاری و مسلم تک کے راویوں کی ایک جماعت سے حدیث کی تخریج میں اجتناب کیا ہے۔

(۲) علل حدیث کا بیان امام نسائی کا خاص وصف سمجھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جرح و تعدیل اور نقد و نظر کا غیر معمولی ملکہ عطا کیا تھا اور روایت کا سقم فوراً ان کی نگاہ کے سامنے آجاتا تھا۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں "امام نسائی حدیث، علل حدیث اور علم الرجال میں امام مسلم، ترمذی اور ابو داؤد سے زیادہ ماہر ہیں اور امام بخاری اور ابو زرعہ کے ہمسر ہیں ابن رشید کا یہ بیان گذر چکا ہے کہ سنن نسائی بخاری و مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے علاوہ ازیں اس میں علل حدیث کے بھی ایک خاص حصے کا ذکر ہے۔ رواۃ کے اسماء و القاب و کنیتوں کی تشریح، راوی کے شذوذ و تفرد، حذف و اضافہ، عدم مطابعت، شک سہو اور غلطی وغیرہ کا ذکر، دو راویوں کے اختلاف و تضاد، عدم سماع و عدم لقاء راویوں کی توثیق و تضعیف، موقوف و مرسل، مسند و مرفوع، صحیح و ضعیف روایات کی نشاندہی، اسناد کی قوت و ضعف، اختلاف و تعدد طرق کا بیان، غریب الفاظ اور مشکل و مبہم چیزوں کی توضیح جس قدر اس کتاب میں پائی جاتی ہے اس سے دوسری کتابیں خالی ہیں۔ امام صاحب نے راویوں اور روایات کا موازنہ کر کے صحیح روایات کی بھی نشاندہی کی ہے۔

(۳) متعدد فوائد کے پیش نظر ایک ہی روایت کو کئی جگہوں میں ذکر کیا ہے۔

(۴) وہ بلند پایہ مجتہد و فقیہ بھی تھے اور ان کی سنن فقہ و اجتہاد اور نظر و استدلال کی حیثیت سے بھی نہایت جامع ہے اس کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے خمس کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ	جان لو کہ جو غنیمت کا مال تم کو ملا ہے اس کا پانچواں
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ	حصہ اللہ، رسولؐ، قرابتداروں یتیموں مسکینوں

سلہ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ و مقدمہ زہر الربی

Marfat.com

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ الخ اور مسافروں کے لئے ہے۔ (توبہ)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ کا ذکر ابتدائے کلام کے لئے آیا ہے کیونکہ ساری چیزیں تو اللہ ہی کی ہیں یا خدا نے فئی اور خمس میں اپنی ذات کو اس لئے شریک کیا ہے کہ درحقیقت یہ دونوں بہترین قسم کی کمائی ہیں اور صدقہ کو اپنی طرف اس لئے منسوب نہیں کیا کہ وہ اموال کی ناپاکی اور گندگی کا نام ہے ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ غنیمت کا کچھ حصہ خانہ کعبہ پر خرچ کیا جائے گا اور اسی حصہ کو اللہ نے اپنا بتاتا ہے نبیؐ کا حصہ امام وقت کی جانب منتقل کیا جائے گا اور وہ اس سے اسلحہ اور جنگی سامان خریدے گا۔ اس میں سے وہ ان لوگوں کو بھی دے سکتا ہے جن کو مناسب سمجھے مثلاً مسلمانوں کی فائدہ رسانی کے کاموں یا علم دین، فقہ و حدیث اور قرآن وغیرہ کی تحصیل میں صرف کرے گا اور ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم اور بنو مطلب میں تقسیم کیا جائے گا خواہ وہ امیر ہوں یا فقیر۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپؐ کے قرابت داروں میں صرف فقرا یعنی یتیموں اور مسافروں وغیرہ ہی کو دیا جائے گا اور یہی قول میرے نزدیک زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم۔ بڑے چھوٹے اور مرد و عورت کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا کیونکہ حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کسی سے زیادہ دیا ہو اور اس بارے میں مجھ کو علماء کے کسی اختلاف کا بھی علم نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کی اولاد کے حق میں اپنے تہائی مال کی وصیت کر دے تو ان میں سے مرد و عورت سب کو برابر حصہ ملے گا، اسی اصول پر ان تمام چیزوں کو قیاس کرنا چاہیئے جو کسی کے قرابت دار اور خاندان والوں کے لئے متعین کر دی گئی ہو، الا یہ کہ شارعؑ نے اس سلسلہ میں کوئی واضح اور صریح حکم دیا ہو یا اس کی تخصیص کر دی ہو، اسی طرح مسلمانوں کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا اور ہر یتیم و مسافر کا حصہ کا دوسرے کو نہیں دیا جا سکتا باقی خمس کے چار اور حصوں کو امام المسلمین ان بالغ مسلمانوں میں تقسیم کرے گا جو جنگ میں شریک رہے ہوں۔

امام نسائیؒ نے بعض ابواب کے عنوانات اس طرح قائم کئے ہیں جن سے ان کا تفقہ و استدلال ظاہر ہوتا ہے اور بعض عنوانات سے وہ اپنے مخالف مسلک کی تردید بھی کرتے ہیں ان کے فقہ و اجتہاد

لہ سنن نسائی کتاب قسم الفئی

کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ ایک ہی حدیث کو متعدد ابواب میں نقل کرکے اس سے مختلف مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔

(۵) ترتیب و تالیف میں حسن و موزونیت کے لحاظ سے بھی سنن کا پایہ بلند ہے، ابن رشید کا بیان ہے کہ "یہ تمام کتب سنن میں تصنیف و ترتیب کے لحاظ سے زیادہ بہتر اور عمدہ ہے"[1]

شروح و تعلیقات سنن نسائی کے ساتھ اس قدر اعتنا نہیں کیا گیا جس کی وہ مستحق تھی اس لئے دوسری کتابوں کے مقابلہ میں اس کے شروح حواشی اور تعلیقات کی تعداد کم ہے[2]۔ ذیل میں ان کے نام درج کئے جاتے ہیں:

شرح ابن ملقن۔ مشہور مصنف و شارح حدیث علامہ ابن ملقن (م ۸۰۴ھ) نے زوائد النسائی علی الاربعہ کے نام سے سنن نسائی کی شرح لکھی اور اس میں ان حدیثوں سے تعرض کیا جو بخاری مسلم، ترمذی اور ابوداؤد میں نہیں ہیں۔

زہر الربی۔ یہ علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی تعلیق اور شرح ہے جو نہایت مشہور و معروف ہے اس میں متن کے مشکل مسائل اور دشوار مقامات کو نہایت خوبی سے حل کیا گیا ہے ۱۳۱۲ھ میں مصر کے مطبع میمنہ سے سنن اور حاشیۂ سندھی کے ساتھ دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور غالباً الگ سے بھی چھپی ہے۔

حاشیہ سندی۔ محمد بن عبدالہادی سندھی (م ۱۱۳۸ھ) نے جملہ کتب صحاح کی طرح امام نسائی کی سنن کا بھی حاشیہ اور تعلیق تحریر کی جو بہت مقبول و متداول ہے، یہ حاشیہ سیوطی کی شرح سے زیادہ جامع اور مفصل ہے اس میں متن کے ضروری اور اہم مقامات کو حل، اعراب کی تحقیق اور غریب الفاظ و مشکل لغات کی تشریح کی گئی ہے یہ حاشیہ سنن اور اس کی شرح زہر الربی کے ساتھ ۱۳۱۲ھ میں مطبع میمنہ مصر میں شائع ہوا ہے۔

حافظ ابن کثیر کی تنقید حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ نسائی کے بعض رجال مجہول اور مجروح ہیں ان کے یہاں ضعیف، معلل اور منکر حدیثیں بھی ہیں[3] لیکن امام نسائی کی حزم و احتیاط کے بارے میں جو قول پہلے

---

[1] مقدمہ زہر الربی [2] کشف الظنون ج ۲ [3] اختصار علوم الحدیث والحط بحوالہ شرح الفیہ بقاعی

Marfat.com

نقل کئے گئے ہیں، وہ ابن کثیر کی تردید کے لئے کافی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ رجال واحادیث کی تمیز میں امام نسائی کو خاص کمال حاصل تھا ان کی سختی اور شدت کا یہ حال تھا کہ امام بخاری، امام مسلم، امام مالک اور یحییٰ بن سعید القطان جیسے اکابر محدثین وائمۂ فن کے بعض رواۃ سے تنقل در روایت میں بھی انہوں نے احتیاط ملحوظ رکھی ہے ان کا خود بیان ہے کہ سنن کی جمع وتالیف کے سلسلہ میں جن مشائخ کے بارہ میں میرے دل میں کچھ شک وتردد ہوا میں نے ان کو ترک کر دیا، عام محدثین کے نزدیک وہ اپنے عدم تساہل اور فرط احتیاط کے لئے نہایت مشہور مانے جاتے ہیں اس کے باوجود ان کے یہاں ضعیف ومنکر روایات کا سرے سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا جبکہ کی اہم ترین کتابوں کے بارے میں بھی مطلق اور مجرد صحت کو بعض علماء نے تسلیم نہیں کیا ہے ایسی صورت میں ابن کثیر کا الزام اور بھی بے حقیقت ہو جاتا ہے صحاح کے دوسرے مصنفین کے مقابلہ میں امام نسائی نے التزام صحت اور رجال کے متعلق زیادہ شدت اور احتیاط برتی ہے اور مجموعی حیثیت سے صحیحین کے بعد یہی زیادہ معتبر اور مستند کتاب مانی جاتی ہے علامہ سیوطی اور شارح سندھی دونوں کا بیان ہے کہ فی الجملہ نسائی کی کتاب السنن میں صحیحین کے بعد سب سے کم ضعیف روایتیں ہیں اور اس کے رجال بھی دوسری کتابوں کے مقابلہ میں زیادہ مجروح نہیں ہیں۔

نواب صدیق حسن خان صاحب اس اعتراض کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"میرے خیال میں ان کا مقصود سنن کبریٰ سے ہے کیونکہ سنن صغریٰ میں تو امام نسائی نے صحیح ترین حدیثیں منتخب اور جمع کی ہیں اور ان روایتوں کو ترک کیا ہے جن کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے چونکہ ابن کثیر سے امام نسائی اور ان کی سنن کی توثیق کے متعلق بھی اقوال منقول ہیں اس لئے اس توجیہ کے بعد ان کی دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں رہ جاتا، حقیقت یہ ہے کہ صحاح ستہ میں صحیحین کے بعد صحت میں سب سے اہم اور مقدم امام نسائی کی سنن ہے[1]"

---

[1] اتحاف النبلاء۔

Marfat.com

امام ابو یعلیٰ موصلیؒ

متوفی ۳۰۷ھ

نام ونسب | احمد نام ابو یعلیٰ کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: احمد بن علی بن مثنیٰ بن یحییٰ بن عیسیٰ، بن ہلال۔

ولادت، خاندان و وطن | مشہور روایت کے مطابق وہ ۲۱۰ھ میں اپنے وطن موصل میں پیدا ہوئے۔ حافظ ذہبی نے شوال ۲۱۰ھ کی روایت کی ہے، ان کا خاندانی تعلق قبیلہ بنی تمیم سے تھا۔ اس لئے تمیمی کہلاتے ہیں۔ ان کا وطن موصل، دجلہ و فرات کا درمیانی علاقہ جزیرہ تھا۔[1]

اساتذہ | امام ابو یعلیٰ کے چند اساتذہ کے نام یہ ہیں:

احمد بن حاتم طویل، احمد بن حنبل، شیبان بن فروخ، علی بن جعد، عثمان بن لیث، محمد بن منہال ضریر، یحییٰ حمانی اور یحییٰ بن معین وغیرہ۔

تلامذہ | ان کے بعض تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابن حبان، ابو بکر اسماعیلی، ابو بکر بن مقری، ابو حاتم، ابو علی نیشاپوری، ابو عمرو بن حمدان حمزہ بن محمد کتانی، محمد بن نصر نخاس اور نصر بن احمد مرجی۔

طلب علم کے لئے سفر | پندرہ سال کی عمر میں انہوں نے طلب حدیث کے لئے سفر

---

[1] کتاب الانساب و تذکرۃ الحفاظ ج ۲ و معجم البلدان ج ۸

Marfat.com

کیا اور قیاس ہے کہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق مختلف مراکزِ حدیث کے ارباب کمال سے استفادہ کیا ہوگا۔

حفظ وثقاہت | حافظ ابو یعلیٰ مشہور حفاظ حدیث اور نامور محدثین اسلام میں شمار کئے جاتے ہیں، اپنے غیر معمولی حافظہ کی بنا پر الحافظ اور الحافظ المشہور کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، ان کی عدالت وثقاہت میں بھی کوئی کلام نہیں کیا گیا ہے۔ حافظ ذہبی اور ابن حماد حنبلی لکھتے ہیں "وہ ثقہ ومتقن تھے"۔ ابن حبان نے ان کو ائمہ ثقات میں ذکر کیا ہے۔ حاکم کا بیان ہے کہ "وہ ثقہ ومامون تھے"۔ ابو علی ان کے اتقان اور حفظِ احادیث کے بڑے مداح ومعترف تھے اور فرماتے تھے کہ "ان سے بہت کم حدیثیں مخفی تھیں"۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "وہ اپنے مرویات میں ثقہ وعادل اور احادیث میں حافظ وضابط تھے"[1]

زہد واتقاء | امام ابو یعلیٰ تدین وتقویٰ میں عالی مرتبہ اور فضائل اخلاق سے آراستہ تھے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ صدق، دیانت، امانت، حلم، تقویٰ اور دوسرے تمام عمدہ اوصاف وکمالات کے جامع تھے۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ تدین واتقان سے متصف تھے۔ حافظ ابن کثیر نے ان کو صاحب خیر اور صاحب شذرات نے صاحب صلاح بتایا ہے[2]

اخلاص | وہ ریا ونمود کو برا سمجھتے تھے، ہر کام خالصۃً لوجہ اللہ کرتے تھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ وہ تصنیف وتالیف، تعلیم حدیث اور تحصیل علوم میں محض حسبۃ للہ اور اخلاص کی بنا پر مشغول ہوئے تھے، ایک مرتبہ ابو عمیر جیری نے ان کو حسن بن سفیان پر ترجیح دی۔ ایک شخص نے کہا یہ غلط ہے حسن کی مسند ضخیم اور ان کے شیوخ اعلیٰ ہیں جیری نے جواب دیا کہ ابو یعلیٰ حسبۃ للہ حدیث بیان کرتے تھے اور حسن کا یہ پیشہ تھا[3]

شہرت ومقبولیت | امام ابو یعلیٰ کو اپنے حسن نیت اور اخلاص کی برکت کی وجہ

---

[1] العبر ج ۲، شذرات الذہب ج ۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔ والبدایہ والنہایہ جلد ۱۱ [2] ایضاً

[3] بیان المدثین، تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔

Marfat.com

سے بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، ان کی ذات عوام و خواص کی عقیدت کا مرکز بن گئی۔ ان کے انتقال کے دن موصل کے بازار بند ہو گئے تھے اور لوگوں کا جم غفیر ان کے جنازہ میں شریک تھا۔

وفات | تقریباً سو سال کی عمر میں ۳۰۷ھ میں اپنے وطن موصل میں انتقال کیا۔[1]

تصنیفات | امام ابو یعلیٰ صاحب تصنیف تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ عمدہ اور بہتر تصنیفات کے مالک تھے، لیکن ان کی تین ہی کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں:

معجم | شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں انہوں نے ترتیب شیوخ پر ایک کتاب لکھی تھی۔[2]

مسندِ کبیر و صغیر | حافظ ابو یعلیٰ نے دو مسندیں لکھی تھیں، ایک کبیر، دوسری صغیر، مشہور مسند صغیر ہے جو چھتیس اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس کو ترتیب ابواب کے لحاظ سے جامع بھی کہا جا سکتا ہے[3]۔ یہ حدیث کی مشہور اور اہم کتابوں میں سمجھی جاتی ہے اس میں ثلاثی حدیثیں بھی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کو حدیث کی کتابوں کے تیسرے طبقہ میں شامل کیا ہے۔ حافظ اسماعیل تیمی فرماتے ہیں کہ میں نے کئی مسانید، مسند عدنی اور مسند ابن منیع وغیرہ پڑھیں، ان کی حیثیت نہروں کی ہے اور مسند ابی یعلیٰ بحر زخار کی طرح تمام نہروں کا سنگم ہے[4]۔

اس کی اہمیت کی وجہ سے علمائے فن نے اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے جامع المسانید والسنن میں اور محمد بن سلیمان (م ۱۰۹۴ھ) نے جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد میں اس کی حدیثیں درج کی ہیں۔ نورالدین ہیثمی نے اس کے زوائد مرتب کئے اور حافظ ابن حجر نے اتحاف المہرہ میں شہاب الدین بوصیری نے اطراف المسانید العشرہ میں اس کے مرویات نقل کئے ہیں[5]۔

---

[1] بستان المحدثین [2] ایضاً [3] ایضاً الرسالۃ المستطرفہ [4] حجۃ اللہ البالغہ ۱ و تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔

[5] مقدمہ تحفۃ الاحوذی و الرسالۃ المستطرفہ۔

مسند ابی یعلیٰ کے قلمی نسخے حیدر آباد کے دائرۃ المعارف العثمانیہ اور کتب خانہ آصفیہ کے علاوہ مکتبہ سندیہ اور جرمنی کے کتب خانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔[1]

---

[1] تذکرۃ النوادر و فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ۱۔

Marfat.com

امام ابنِ خزیمہؒ

متوفی سنہ ۳۱۱ھ

نام ونسب محمد نام، ابوبکر کنیت، شیخ الاسلام لقب اور نسب نامہ یہ ہے محمد بن اسحاق بن خزیمہ بن مغیرہ بن صالح بن بکر۔

ولادت، خاندان و وطن ماہ صفر سنہ ۲۲۳ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ مجشر بن مزاحم سے ولار کا تعلق تھا۔[1]

اساتذہ شیوخ واساتذہ کے نام یہ ہیں:

ابو قدامہ سرخسی، ابو کریب، احمد بن منیع، اسحاق بن موسیٰ خطمی، بشر بن معاذ عقدی، عبد بن علار، عتبہ بن عبداللہ محمدی، علی بن حجر، علی بن خشرم، محمد بن ابان مستملی، محمد بن اسلم زاہد، محمد بن محمد بن مہران، محمود بن غیلان، نصر بن علی جہضمی، یونس بن عبدالاعلیٰ۔

اسحاق بن راہویہ اور محمد بن حمید رازی سے بھی ان کو ملاقات اور سماع کا شرف حاصل ہوا مگر اس وقت کم سن تھے، اس لئے احتیاط کی بنا پر ان بزرگوں سے حدیثیں نہیں بیان کرتے۔

تلامذہ جن لوگوں سے ان کی روایات کا زیادہ حصہ منقول ہے ان کے نام یہ ہیں:

ابوبکر احمد بن مہران مقری، ابوحامد احمد بن محمد بن بالویہ، ابوعلی نیشاپوری، ابوعمرو بن حمدان اسحاق بن سعید نسوی، محمد بن بصیر اور پوتے محمد بن فضل۔

---

[1] المنتظم ابن جوزی ج ۶ ص ۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ وطبقات الشافعیہ ج ۲۔

Marfat.com

ان کے تلامذہ میں ابراہیم بن ابی طالب اور ابوعمرو احمد بن مبارک مستملی بھی تھے جو عمر میں ان سے بڑے تھے۔[1]

رحلت وسفر علم وفن کی تحصیل اور حدیث وفقہ کی تکمیل کے لئے انہوں نے مختلف مقامات کے سفر کئے: بچپن میں اپنے وطن کے علماء ومشائخ سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد رے، بغداد، بصرہ، کوفہ، شام، حجاز، عراق، مصر اور واسط وغیرہ تشریف لے گئے۔[2]

حفظ وثقاہت علامہ ابن حبان فرماتے ہیں کہ حدیثوں کے استاد ومتون کا ان سے بہتر کوئی حافظ میں نے نہیں دیکھا، ابو احمد دارمی نے خود ابن خزیمہ سے ان کے حافظ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ "میں جس چیز کو تحریر کرتا ہوں وہ مجھے زبانی یاد ہو جاتی ہے" ابوعلی نیشاپوری فرماتے ہیں کہ جس طرح قراء کو قرآن کی سورتیں زبانی یاد ہوتی ہیں اسی طرح ابن خزیمہ کو فقہیات حدیث زبانی یاد ہیں۔ امام دارقطنی وغیرہ نے ان کو ثقہ وثابت بھی قرار دیا ہے ابن حبان فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر احادیث وسنن کے صحیح الفاظ اور زیادات کی یادداشت رکھنے والا ان کے مانند کوئی اور شخص نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سنن واحادیث کا تمام ذخیرہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔[3]

حدیث میں درجہ ومرتبہ ابن خزیمہ کا شمار اکابر محدثین اور نامور ائمہ فن میں ہوتا ہے۔ احادیث پر ان کی نظر نہایت وسیع اور گہری تھی، وہ کم سنی ہی میں امام اور حافظ حدیث کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے۔ ایک دفعہ امام شافعیؒ کے نامور شاگرد اور فقہ شافعی کے جامع ومدون امام مزنی سے ایک عراقی شخص نے دریافت کیا کہ جب قرآن مجید نے قتل کی صرف دو ہی صورتیں بیان کی ہیں۔ عمد وخطا، تو آپ لوگ تیسری قسم شبہ عمد کو کس طرح مانتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں ایک حدیث پیش کی۔ اس نے کہا کہ آپ علی بن زید بن جدعان

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ وطبقات الشافعیہ ج ۲ [2] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ وطبقات الشافعیہ ج ۲۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ وطبقات الشافعیہ ج ۲۔

Marfat.com

کی روایت سے استدلال کرتے ہیں یہ سُن کر مزنی خاموش ہو گئے اور ابن خزیمہ نے جواب دیا کہ شبہ عمد کی روایتیں دوسرے طرق سے بھی مروی ہیں۔ عراقی نے کہا اور کس کے واسطے سے مروی ہیں؟ امام ابن خزیمہ نے فرمایا ایوب سختیانی اور خالد حذاء سے، اس نے ایک راوی عقبہ بن اوس کے متعلق شک و تردد کا اظہار کیا، تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک بصری شیخ ہیں اور ابن سیرین جیسے جلیل القدر بزرگ نے بھی ان سے روایت کی ہے معترض نے امام مزنی سے عرض کیا کہ آپ مناظرہ کر رہے ہیں یا یہ؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ احادیث کے بارہ میں مجھ سے زیادہ واقف کار ہیں، اس لئے جب حدیثوں پر گفتگو ہوتی ہے تو میں خاموش رہتا ہوں اور یہ بحث و مناظرہ میں حصہ لیتے ہیں[1]۔

امام ابن خزیمہ مسائل و فتاویٰ کا جواب بھی احادیث کی روشنی میں دیتے تھے، امیر اسماعیل بن احمد نے ایک مرتبہ فئ و غنیمت کا فرق دریافت کیا تو انہوں نے سورۂ انفال کی آیت وَاعلموا انما غنمتم من شیئ فان للہ خمسہ الخ پڑھنے کے بعد چند حدیثیں بیان کیں پھر سورۂ حشر کی آیت مَا افاء اللہ علیٰ رسولہ الخ پڑھ کر احادیث سے مسئلہ کی وضاحت کی، ابوزکریا یحییٰ بن محمد کا بیان ہے کہ اس موقع پر انہوں نے تقریباً ایک سو ستر حدیثیں بیان کی ہوں گی[2]۔

احادیث سے استنباط مسائل میں ان کو بڑا ملکہ حاصل تھا، ابن سریج کا بیان ہے کہ وہ بڑی چھان بین اور محنت سے احادیث کے نکات و مطالب کا استخراج کرتے تھے[3]۔

حدیث کی نقل و روایت میں ان کے فضل و امتیاز کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے وکان مبرزا فی علم الحدیث، یعنی وہ علم حدیث میں بہت ممتاز اور نہایت فاضل تھے[4]۔

انہوں نے سنن کی اشاعت و احیا کا مقدس فرض بھی انجام دیا۔ ایک مرتبہ ان کے ایک

---

[1] طبقات الفقہا لابی اسحاق شیرازی [2] طبقات الشافعیہ سبکی ج ۲ [3] ایضاً و طبقات الفقہا شیرازی [4] المنتظم ج ۶

Marfat.com

پڑوسی نے خواب دیکھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شبیہ مبارک کو صیقل کر رہے ہیں۔ معبرین نے بتایا کہ ابن خزیمہ احیاء سنت اور اشاعت حدیث کا کام انجام دیں گے۔[1]

فقہ و اجتہاد فقہ و اجتہاد میں بھی ان کا درجہ نہایت بلند تھا۔ بویطی اور مزنی جیسے اساتذۂ وقت سے اس کی تحصیل کی تھی لیکن فقہ کے عام مذاہب میں سے وہ کسی خاص مذہب سے وابستہ نہیں تھے بلکہ ان کا شمار مجتہدین مطلق میں ہوتا ہے۔ علامہ ابن سبکی نے ان کو المجتہد المطلق اور علامہ ابن کثیر نے وھو من المجتھدین فی دین الاسلام لکھا ہے۔ ان کا خود بیان ہے کہ سولہ سال کی عمر کے بعد سے میں نے کسی کی تقلید نہیں کی۔

ابوزکریا یحییٰ بن محمد عنبری فرماتے ہیں کہ میں نے ابن خزیمہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح فرمان کی موجودگی میں کسی شخص کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔[2] بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ خود صاحب مذہب اور مستقل امام فقہ کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کے فتاوے بھی ایک زمانہ میں بعض اسلامی ملکوں میں رائج تھے، ان کے بعض فقہی مسائل کتابوں میں ملتے ہیں مثلاً

وہ رفع یدین کو نماز کا اہم اور ضروری رکن سمجھتے تھے، صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے اعادہ لازمی سمجھتے تھے۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ "محمد بن اسحاق امام الائمہ کے لقب سے موسوم کئے جاتے تھے، ان کے متبعین ان کے مذہب کی پیروی کرتے تھے، وہ مقلد کے بجائے خود امام مستقل اور صاحب مذہب تھے۔ بیہقی نے یحییٰ بن محمد عنبری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اصحاب حدیث کے پانچ طبقے ہیں (۱) مالکیہ (۲) شافعیہ (۳) حنبلیہ (۴) راہویہ اور (۵) خزیمیہ۔[3]

کلام و عقائد کے بعض مسائل بدعات کو سخت ناپسند کرتے تھے اور عام محدثین کی طرح کلام و عقائد کے غیر ضروری مسائل میں بحث و تدقیق احتیاط و تقویٰ کے منافی خیال کرتے تھے۔ اپنے تلامذہ اور منتسبین کو سخت تاکید کر دی تھی کہ اس قسم کے مسائل میں پڑنے سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ و طبقات الشافعیہ ج ۲ [2] البدایہ ج ۱۱ و طبقات الفقہا شیرازی ص ۸۳ [3] اعلام الموقعین۔

Marfat.com

پرہیز کریں۔ بعض تلامذہ کے متعلق جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے مباحث ان کے حوالے سے بیان کرتے ہیں تو سخت برہمی ظاہر کی اور اعلان کر دیا کہ یہ لوگ میرے حوالے سے جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ غلط ہے۔

عقائد و کلام کے متعلق انہوں نے جو کتابیں لکھی تھیں ان میں اہلِ سنت والجماعت کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے، بعض مسائل میں عام اہل سنت سے بھی زیادہ متشدد تھے۔ چند مسائل کے متعلق ان کے آراء و خیالات طبقات و تراجم کی کتابوں سے نقل کئے جاتے ہیں۔

قرآن مجید خدا کا کلام ہے اس کی وحی و تنزیل اور خود غیر مخلوق ہے وہ خدا کی صفات میں ایک ذاتی صفت اور مستقل بالذات ہے اس کو مخلوق، محدث اور فعلی صفت سمجھنے والے جہمی، بدعتی اور گمراہ ہیں۔ بعض جاہل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کمر رکلام نہیں کرتا، یہ لوگ کلام الٰہی سے ناآشنا اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اللہ نے کئی مقامات پر تخلیق آدم کا ذکر کیا ہے حضرت موسیٰؑ کا قصہ مکرر بیان کیا ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ بار بار کہا گیا ہے۔ یہ کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہو سکتا اور جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ ازل میں کلام کرنے کے بعد اللہ پھر کلام نہیں کرتا وہ جہمی ہے۔ اللہ عرش پر بلاکیف مستوی و متمکن ہے۔

ان مسائل میں وہ اتنے متشدد تھے کہ جہمیہ وغیرہ کو کافر بھی کہہ دیتے تھے، فرماتے ہیں: اللہ ازل سے متکلم ہے جو شخص یہ گمان کرے کہ اللہ ایک ہی بار کلام کرتا ہے وہ کافر ہے۔ اسی طرح جو اس کا اقرار نہ کرے کہ اللہ عرش پر ساتویں آسمان کے اوپر متمکن ہے وہ کافر ہے۔ اس کا خون مباح اور مال حلال ہے۔ قرآن کو کلام الٰہی کے بجائے مخلوق سمجھنے والا کافر ہے، اس سے توبہ کرائی جائے گی اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے گا اور وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ جہمیہ اور کلامیہ ملعون اور اپنے عقائد و خیالات میں جھوٹے ہیں[1]۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲۔

فضل وکمال کا اعتراف ان کے معاصرین علما اور ارباب کمال ان کے علم وکمال کے معترف تھے۔ امام دارقطنی نے ان کو عدیم النظیر اور علامہ ذہبی نے فرید العصر اور حافظ ابن کثیر نے بحر من بحور العلم لکھا ہے۔ ابو علی نیشاپوری فرماتے ہیں کہ "میں نے ان سے زیادہ صاحب کمالات آدمی نہیں دیکھا"۔ ان کے استاذ ربیع بن سلیمان کا بیان ہے کہ "ابن خزیمہ نے ہم سے جتنا استفادہ کیا، ہم نے اس سے زیادہ ان سے استفادہ کیا"۔ علامہ ابن سبکی ان کی جامعیت وفضیلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وہ مختلف علوم کے جامع اور مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ نیشاپور میں جو علم وفن کا گہوارہ اور فضلا وارباب کمال کا مرکز تھا، یکتائے روزگار تھے، ان کی علمی شان سب سے بالا وبرتر تھی۔ ان کے گرد طلبہ ومستفیدین کا ہجوم رہتا تھا، ان کے فتاوے تمام روئے زمین میں نقل ہوتے تھے، عقل وفطانت میں بے مثال تھے۔ بحث ومناظرہ میں انہیں زیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ درحقیقت علم وفضل کا ایسا بحر زخار تھے جس سے تشنگان علوم سیراب ہوتے تھے۔ ان کی اس علمی ضیاباری سے ایک عالم کو بصیرت حاصل ہوتی تھی۔ علماء واساطینِ فن بھی ان کی جانب رجوع کرتے تھے۔ ان کے فیض کا یہ حال تھا۔

کالبحر یقذف للقریب جواھرا کرما ویبعث للغریب سحائبا

"یعنی ابن خزیمہ سمندر کی طرح اپنے قریب کے لوگوں کو موتی اور جواہرات سے مالا مال کرتے ہیں اور دور والوں کے لئے بارانِ رحمت کی طرح سامانِ فیض کرتے ہیں"۔

اتباع سنت اتباع سنت میں بڑا اہتمام تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی وہ سنت کا لحاظ رکھتے تھے، ایک مرتبہ ان سے حمام میں بال منڈانے کے لئے کہا گیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حمام میں داخل ہو کر بال منڈانا ثابت نہیں ہے۔ ابو عمرو بن اسماعیل کا بیان ہے کہ میں ابن خزیمہ کے درس میں شریک ہوتا تھا اور وہ اکثر معمول کاموں

---

[1] طبقات الشافعیہ ابن سبکی ج ۲۔

میں مدد لیا کرتے تھے. ایک دفعہ میرا داہنا ہاتھ روشنائی سے سیاہ ہو گیا تھا اس لیے میں نے ان کو بائیں ہاتھ سے قلم دینا چاہا تو انہوں نے نہیں لیا میرے رفقاء نے داہنے ہاتھ سے قلم دینے کے لئے کہا، جب میں نے داہنے ہاتھ سے دیا تو انہوں نے لے لیا۔[1]

بزرگی و کرامت | وہ صاحبِ کرامت بھی تھے، لوگ ان کی ذات کو نہایت بابرکت خیال کرتے تھے. ابو عثمان زاہد کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل نیشاپور کے مصائب و آلام ابن خزیمہ کی برکت سے دفع کر دے گا۔

محمد بن ہارون طبری روایت کرتے ہیں کہ "وہ اور محمد بن نصر مروزی، محمد بن علویہ دزان اور محمد بن اسحاق بن خزیمہ چاروں آدمی تحصیل علم و سماع حدیث کے لئے ربیع بن سلمان کے پاس گئے وہاں ہم لوگوں کا ساز و سامان ختم ہو گیا. جب تین دن اور تین رات تک فاقہ کرنا پڑا تو ہم نے آپس میں کہا ایسی حالت میں تو ہمارے لئے سوال کرنا جائز ہے. لیکن ہر شخص سوال کرنے میں عار محسوس کرتا تھا. اس لئے قرعہ اندازی کی گئی۔ اتفاق سے قرعہ ابن خزیمہ کے نام نکلا انہوں نے کہا پہلے مجھے دو رکعت استخارہ کی نماز پڑھ لینے دو۔ ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کھولا گیا تو امیر مصر احمد بن طولون کا خادم اجازت لے کر اندر داخل ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا. پھر ایک پرزہ نکال کر پوچھا کہ محمد بن نصر کون صاحب ہیں؟ ہم لوگوں نے ان کی طرف اشارہ کر دیا، اس نے پچاس ہزار کی ایک تھیلی دی اور کہا امیر نے سلام عرض کیا ہے اور آپ کے اخراجات کے لئے یہ رقم پیش کی ہے۔ ختم ہونے کے بعد مزید رقم پیش کی جائے گی. اسی طرح ہم چاروں کو تھیلیاں دے کر یہی پیغام پہنچایا. ہم لوگوں نے اس سے کہا پہلے اس واقعہ کا سبب بتاؤ ورنہ ہم یہ تھیلیاں قبول نہیں کریں گے۔ اس نے کہا آج دوپہر میں امیر قیلولہ کر رہے تھے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے کہ کل خدا کے یہاں حاضر ہو کر کیا جواب دو گے. جب وہ تم سے ان چاروں

---

[1] طبقات الشافعیہ ابن سبکی ج ۲۔

Marfat.com

علماء کے متعلق سوال کرے گا جو تین روز سے بھوکے ہیں، اس خواب سے امیر گھبرا کر اُٹھ بیٹھے اور آپ لوگوں کا نام لکھوا کر یہ تھیلیاں بھیجی ہیں۔ میں اسی وقت سے آپ لوگوں کی تلاش میں تھا، اب جا کر آپ لوگ ملے ہیں[1]

قناعت زندگی بڑی سادہ، درویشانہ اور تکلف و آرائش سے بالکل پاک تھی۔ ایک معمولی رقم میں گزر بسر کر لیتے تھے۔ پہننے کے لئے ہمیشہ ایک ہی قمیض ہوتی تھی۔ جب دوسری قمیض بنواتے تو پرانی کسی ضرورت مند کو دے دیتے تھے، لوگ درخواست کرتے کہ کچھ زیادہ کپڑے بنوا لیجئے، فرماتے کہ مجھے اپنے نفس کے آرام و راحت کا کوئی خیال نہیں[2]

سخاوت بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے، ان کے پوتے محمد بن فضل کا بیان ہے کہ میرے دادا بخل سے ناآشنا اور مال پس انداز نہیں کرتے تھے، ان کا کل مال و دولت اہل علم اور ضرورت مندوں کے لئے وقف تھا۔ ایک مرتبہ بڑی پرتکلف دعوت کی۔ مختلف قسم کے لذیذ کھانوں اور حلوے، میوے اور فواکہ سے دسترخوان آراستہ تھا، امراء و اعیان کے ساتھ اہل علم اور فقہاء و محدثین بھی مدعو تھے، ہر شخص نے شکم سیر ہو کر کھایا، لوگوں کا بیان ہے کہ ایسی شاندار دعوت اور اس کا اہتمام صرف سلطان ہی کر سکتا تھا[3]

صاف گوئی ان کے اخلاقی اوصاف میں سب سے نمایاں وصف صاف گوئی ہے امراء و اعیانِ دولت کے سامنے بھی وہ اس میں باک نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ امیر اسماعیل بن احمد نے اپنے والد کے واسطہ سے ایک حدیث بیان کی جس کی سند میں ان کو وہم ہو گیا تھا ابن خزیمہ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے فوراً اس کی تصحیح کی جب واپس ہوئے تو قاضی ابو ذر نے بتایا کہ ہم بیس سال سے یہ غلط روایت سنتے تھے مگر تصحیح کی جرأت نہ ہوتی تھی، ابن خزیمہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں خطا و تحریف جان کر خاموش رہنا گوارا نہیں کر سکتا[4]

---

[1] المنتظم ابن جوزی ج ۶ [2] طبقات الشافعیہ ج ۲ [3] طبقات الشافعیہ ۲۵ [4] ایضاً

امامت وشہرت اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی مرجعیت اور شہرت عطا فرمائی تھی امام الائمہ ان کے نام کا جزبن گیا تھا، اسنوی کا بیان ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں خراسان کے امام تھے۔ امام دارقطنی نے ان کو امام اور ابن ابی حاتم نے امام ومقتدار کہا ہے[1]۔ مقبولیت کا یہ حال تھا کہ ان سے استفادہ کرنے کے لئے علما اور طلبہ کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ بڑے بڑے اربابِ کمال دور دراز سے مشقتیں برداشت کرکے استفادہ کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مستفیدین کے قافلے ہر وقت خیمہ زن رہتے تھے۔ امراء وارباب حشمت بھی ان کے اعزاز واکرام کو ملحوظ رکھتے تھے۔ پہلی مرتبہ جب امیر اسماعیل بن احمد سے آپ کی ملاقات ہوئی، تو اس نے ناواقفیت کی وجہ سے شایان شان التفات نہیں کیا۔ بعد میں جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ ابن خزیمہ ہیں تو اس نے بڑی معذرت اور شرمندگی کا اظہار کیا اور نہایت گرمجوشی کے ساتھ ملا[2]۔

وفات ۲ ذوقعدہ ۳۱۱ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا[3]، اور اپنے گھر کے ایک کمرہ میں دفن کئے گئے، بعد میں پورا گھر مقبرہ میں تبدیل ہوگیا تھا۔ علامہ ابن جوزی نے ۸ ذوقعدہ اور ابواسحٰق شیرازی نے ۲۱۲ھ سنہ وفات بتایا ہے[4]۔ ایک شاعر کے مرثیہ کے دو شعر یہ ہیں:

یابن اسحاق قد مضیت حمیدا — فسقی قبرك السحاب الهتون

ماتولیت لاهل العلم ولی — مادفناك بل هوالمدفون[5]

ترجمہ:۔ اے ابن اسحاق آپ کی زندگی نہایت قابلِ ستائش تھی، آپ کی قبر کو ہمیشہ برسنے والے بادل سیراب کرتے رہیں، آپ اہلِ علم کے سرپرست اور ان کی مشکلات میں کفیل تھے، آپ کے اٹھ جانے سے یہ سب ختم ہوگیا۔ ہم نے آپ کے بجائے علم کو دفن کیا ہے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ [2] طبقات الشافعیہ ج ۲ [3] ایضاً وتذکرۃ ج ۲ [4] المنتظم ج ۶ و طبقات الفقہاء۔ [5] طبقات الشافعیہ ج ۲۔

تصنیفات ابن خزیمہ نامور مصنف بھی تھے، ان کی تصنیفات کی تعداد حاکم نے چودہ سے زیادہ بتائی ہے۔ ان کے علاوہ ان کے مسائل کا مجموعہ بھی سو جزوں کے بقدر تھا۔ ابن کثیر کا بیان ہے۔ فکتب الکثیر وضف وجمع ، یعنی بے شمار کتابیں تصنیف کیں۔ ابن خزیمہ تصنیف شروع کرنے سے قبل استخارہ کی نماز پڑھتے تھے، اگر استخارہ نکل آتا تھا تب تصنیف کی ابتدا کرتے تھے[1]۔ جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

فقہ حدیث بریرہ: یہ تین جزوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک حدیث کی فقاہت کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

کتاب التوحید والصفاۃ۔ یہ بڑی اہم اور مشہور کتاب ہے اور کئی اجزاء پر مشتمل ہے اس کا موضوع کلام وعقائد ہے۔ امام رازی اس کو کتاب الاشراک کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ یورپ کے بعض کتب خانوں میں اس کے نسخے پائے جاتے ہیں۔ ابو نعیم نے المستخرج علی التوحید لکھی تھی[2]۔

صحیح ابن خزیمہ: یہ علامہ ابن خزیمہ کی سب سے اہم کتاب ہے اس کا شمار حدیث کی اہم اور معتبر کتابوں میں ہوتا ہے۔ مستند مصنفین اور ثقہ علماء اس کی حدیثوں سے اخذ و استناد کرتے ہیں۔ کتب صحاح کے علاوہ جن محدثین نے اپنی کتابوں میں صحت کا زیادہ التزام کیا ہے ان کے مجموعے صحیح کہلاتے ہیں۔ شاہ عبدالحق صاحب فرماتے ہیں "جن دیگر علماء نے صحاح کے مجموعے لکھے ہیں ان میں ابن خزیمہ کی صحیح بعض حیثیتوں سے زیادہ مشہور ہے" اس کی اہمیت کا اندازہ ابن کثیر کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے:

من انفع الکتب واجلّھا[3]۔ یعنی صحیح ابن خزیمہ نہایت مفید اور اہم کتابوں میں ہے۔ علامہ سیوطی نے بخاری ومسلم کے بعد جن کتابوں کو زیادہ معتبر بتایا ہے ان میں

---

[1] طبقات الشافعیہ ج ۲ [2] ایضاً وتذکرہ ج ۲ والبدایہ ج ۱۱ [3] فوائد الجامعہ وکشف الظنون ج ۲ وتذکرۃ النوادر وتدریب الراوی

کتب صحاح کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ کا پایہ صحیح ابن حبان سے زیادہ ہے کیونکہ ابن خزیمہ نے صحت کی جانب زیادہ توجہ کی ہے۔ وہ ادنیٰ شبہ پر بھی توقف سے کام لیتے ہیں چنانچہ اکثر ان صح الخبر وان ثبت وغیرہ قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ یہ صحت میں صحیح مسلم کے قریب قریب ہے۔ اس کے نسخے یورپ کے بعض کتب خانوں اور جرمنی میں موجود ہیں۔ حافظ ابن حجر نے صحیح ابن خزیمہ پر مفید حواشی بھی لکھے تھے۔[1]

---

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی۔

امام ابوعوانہ اسفرائینیؒ

متوفی ۳۱۶ھ

نام ونسب یعقوب نام، ابوعوانہ کنیت اور سلسلۂ نسب یہ ہے: یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم بن یزید، بعض اہل سیر نے یزید کے بجائے زید لکھا ہے۔[1]

وطن وہ اسفرائن کے باشندہ تھے لیکن آخر عمر میں نیشاپور میں سکونت اختیار کرلی تھی اس لئے اسفرائنی اور نیشاپوری دونوں نسبتوں سے مشہور ہیں۔ اسفرائن نواحی نیشاپور میں زرخیز اور شاداب شہر تھا۔ قدیم زمانہ میں اس کا نام مہرجان تھا۔ اس شہر کی جانب علماء واعیان کی ایک کثیر جماعت منسوب ہے۔ سمعانی کا بیان ہے کہ قدیم اور جدید ہر دور میں جملہ فنون کے ماہرین علماء اور فضلاء کی ایک جماعت یہاں پیدا ہوئی۔ ان میں ابوعوانہ بھی ہیں۔[2]

اساتذہ ابوعوانہ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد بے شمار ہے۔ ان میں سے اکثر بڑے نامور کامل الفن ہیں۔ بعض شیوخ کے نام یہ ہیں:

ابوحاتم، ابوزرعہ، احمد بن ازہر، احمد بن سعید دارمی، اسماعیل بن محمد بن قیراط، حسن زعفرانی، سعد بن عبدالحکیم، سعدان بن نصر، علی بن اسکاب، علی بن حرب، عمر بن شیبہ، محمد بن رجاسندی، محمد بن عبدالحکم، محمد بن یحییٰ ذہلی، مسلم بن حجاج قشیری، یزید بن محمد بن عبدالصمد، یعقوب بن سفیان اور یونس بن عبدالاعلیٰ وغیرہ سے علم حدیث کی اور امام شافعیؒ کے ارشد تلامذہ ابوابراہیم

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۳ وطبقات الشافعیہ ج ۲ [2] بستان المحدثین وکتاب الانساب

Marfat.com

مزنی اور ربیع بن سلیمان سے فقہ میں تکمیل بہم پہنچائی۔

تلامذہ ان کے تلامذہ اور مستفیدین کا حلقہ بھی بڑا وسیع ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

ابو احمد علی، ابو بکر اسماعیل، ابو علی نیشاپوری، ابو الولید فقیہ، احمد بن علی رازی، حسین بن علی، سلیمان طبرانی، عبد اللہ بن عدی، عبد الملک بن حسن اسفرائینی[1]، محمد بن ابو عوانہ[2]، محمد بن یعقوب بن اسماعیل، یحییٰ بن منصور قاضی وغیرہ

طلب حدیث کے لئے سفر ابو عوانہ نے علم حدیث کی طلب و جستجو میں متعدد مقامات کے سفر کئے۔ اس حیثیت سے بھی وہ دوسرے محدثین میں ممتاز ہیں۔ ان سے زیادہ کسی اور کے سفر کی تفصیل نہیں ملتی۔ علامہ سمعانی کا بیان ہے کہ "ابو عوانہ نے طلب حدیث کے لئے سفر کئے اور اس کے جمع کرنے اور اس کی تحریر و کتابت میں بڑی مشقت اٹھائی"۔ حاکم کا بیان کہ "وہ کثیر الاسفار تھے اور انہوں نے احادیث کی تحصیل کے لئے روئے زمین کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا"۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ

احد الحفاظ الجوالین والمحدثین المکثرین	وہ ان حفاظ اور محدثین میں تھے جنہوں نے بڑے سفر کئے اور بکثرت حدیثیں جمع کیں۔

مورخین اور اصحاب سیر کا بیان ہے کہ انہوں نے خراسان، عراق، یمن، حجاز، شام، جزیرہ، فارس، اصفہان، ثغور، ری، واسط، بصرہ اور کوفہ وغیرہ مختلف ملکوں اور شہروں کا تحصیل علم اور طلب حدیث کے لئے سفر کیا۔

حفظ و ثقاہت ان کا حافظہ بے مثال تھا۔ علمائے فن نے ان کو الحافظ الکبیر الجلیل احد الحفاظ، احد حفاظ الدنیا اور من اکابر حفاظ الحدیث لکھا ہے اور ثقہ جلیل اور الثقۃ الکبیر

---

[1] یہ ابو عوانہ کے بھتیجے تھے [2] یہ ابو عوانہ کے فرزند تھے [3] کتاب الانساب وفیات الاعیان ج ۲ و مرآۃ الجنان ج

وغیرہ کے الفاظ میں اُن کی توثیق کی ہے۔

اعتراف کمال دوسرے علماء و محدثین ان کے کمالات کے معترف تھے۔ حاکم لکھتے ہیں کہ "ابوعوانہ بلند پایہ محدثین اور اصحاب کمال میں تھے"۔ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ "وہ نامور محدثین اور بلند ترین علمائے اسلام میں تھے"[1]

فقہ واجتہاد فقہ میں بھی ان کا پایہ بلند تھا، ذہبی کا بیان ہے کہ "وہ حافظ و محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہہ اور امام بھی تھے"۔ ابن خلکان نے ان کے مزار کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس مقام میں امام شافعی کے مذہب و مسلک سے تعلق رکھنے والے چالیس ایسے ائمہ مجتہدین اور فقہا مدفون ہیں جو اگر اپنی رائے و اجتہاد سے فتویٰ دیتے تو بلا شبہ وہ اس کے مستحق تھے"۔

مذہب و مسلک انہوں نے فقہ کی تعلیم شافعی مذہب کے ائمہ سے حاصل کی تھی اس لئے ان کو اس مذہب سے بڑا تعلق تھا، مصر سے واپس آنے کے بعد انہوں نے شوافع کی کتابوں سے پہلی مرتبہ اسفرائن کے لوگوں کو روشناس کرایا اور انہی کے بدولت اسفرائن میں امام شافعیؒ کے مذہب کی ترویج و اشاعت ہوئی[2]۔

زہد و اتقاء زہد و تقویٰ کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ علامہ سمعانی بیان کرتے ہیں کہ "وہ زاہد، عبادت گزار، عفیف، پاکدامن اور کم خور تھے اور پانچ مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

وفات اپنے وطن اسفرائن میں ۳۱۶ھ میں انتقال کیا۔ ایک روایت ۳۱۳ھ کی بھی ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔

تصنیفات امام ابوعوانہ کی تصنیفات میں ایک مسند صحیح ان کی یادگار ہے جو دراصل صحیح مسلم پر مستخرج ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں مستخرج اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں کسی

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۲ و تذکرہ ج ۲ و طبقات الشافعیہ ج ۲ [2] ایضاً

Marfat.com

دوسری کتاب کی حدیثوں کو اس کی ترتیب، متون اور طرق اسناد کے مطابق نقل کیا جاتا ہے۔ مسند ابو عوانہ میں امام مسلم کے طرق واسانید کے علاوہ دوسرے طرق واسناد اور بعض متون کا اضافہ بھی کیا گیا ہے اس لئے اس کو صحیح بھی کہا جاتا ہے اور اس حیثیت سے دراصل یہ خود ایک مستقل تصنیف بن گئی ہے۔[1]

خصوصیات (۱) اس کی پہلی خصوصیت تو یہی ہے کہ صحیح مسلم کی مستخرج ہونے کے باوجود اس میں بعض اضافے بھی ہیں۔ علامہ ذہبی کا بیان ہے:۔

صاحب الصحیح المسند المخرج علی صحیح مسلم وله فیه زیادات عدة[2]

ابو عوانہ صاحب صحیح مسند ہیں ان کی کتاب امام مسلم کی صحیح پر تخریج کی گئی ہے لیکن اس میں متعدد اضافے بھی ہیں۔

مثلاً باب الدلیل علی ایجاب الوضوء میں تین حدیثیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال ابو عوانة من هنا لم یخرجه اصحابنا۔

یعنی یہاں سے جو روایتیں نقل کی جارہی ہیں ان کی ہمارے اصحاب نے تخریج نہیں کی ہے۔

اسی طرح آٹھ حدیثیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

قال ابو عوانة الی هنا زدت من عندی۔[3]

یعنی یہاں تک میں نے خود اضافہ کیا ہے۔

(۲) مختلف اسانید اور متعدد احادیث تحویل نظائر وشواہد کے ساتھ درج کئے ہیں اور اختلافِ متن کی بحث کرتے ہوئے ایسے اقوال اور صحیح مرویات جمع کئے ہیں جو دوسری متداول کتابوں میں نہیں ملتے۔

(۳) امام ابو عوانہ نے احادیث کے معنی کی صحیح تعبیر اور بلیغ تشریح بھی کی ہے۔

---

[1] بستان المحدثین [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ [3] مسند ابو عوانہ ج ۱۔

Marfat.com

(۴) فقہی ابواب پر مسند کو مرتب کرنے کے باوجود انہوں نے اس میں مختلف فصول قائم کئے ہیں جو ان کی طباعی کا ثبوت ہے۔

اس مسند کو پہلی مرتبہ مولانا محمد ہاشم ندوی نے ایڈٹ کرکے دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے ۱۳۶۲ھ و ۱۳۶۳ھ میں دو جلدوں میں شائع کیا ہے اور مفید تعلیقات اور مختصر حواشی بھی لکھے ہیں۔ دونوں جلدوں کے آخر میں ابواب وفصول کی مفصل فہرست، اسماء واعلام کا انڈکس اور پہلی جلد میں مصنف اور تصنیف کے متعلق مفید معلومات بھی درج ہیں مسند کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں[1]۔ اور علمائے فن نے اس کے ساتھ اعتنا کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے المنتقی کے نام سے اس کی ۲۳۰ حدیثوں کو منتخب کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اتحاف المہرۃ باطراف العشرہ میں مستخرج ابی عوانہ کی حدیثیں درج کی ہیں[2]۔

---

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی وتذکرۃ النوادر [2] بستان المحدثین و ذیل طبقات الحفاظ۔

Marfat.com

امام ابو جعفر طحاویؒ

متوفی ۳۲۱ھ

نام ونسب احمد نام، ابو جعفر کنیت اور نسب نامہ یہ ہے، احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن حباب[1]۔

ولادت مشہور روایت کے مطابق وہ یکشنبہ کے دن ۱۰ ربیع الاوّل ۲۳۹ھ کو پیدا ہوئے۔ ۲۳۷ھ و ۲۳۸ھ بھی سنہ ولادت بیان کیا جاتا ہے[2]۔

خاندان و وطن امام طحاوی کا خاندانی تعلق یمن کے مشہور قبیلہ ازد کی شاخ حجر سے تھا۔ اسلامی فتوحات کے بعد ان کے خاندان والوں نے مصر میں سکونت اختیار کر لی تھی اور یہیں ایک گاؤں طحا میں امام صاحب کی ولادت ہوئی[3]۔ اس لئے وہ ازدی، حجری اور مصری وطحاوی کہلاتے ہیں۔ یاقوت کا بیان ہے کہ طحا کے قریب ہی طحطوط نام کے ایک گاؤں کو ان کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے لیکن انہوں نے اس کے بجائے طحا کی جانب ہی اپنی نسبت کی۔ علامہ سیوطی نے بھی اسی روایت پر اعتماد کیا ہے[4]۔

اساتذہ ان کے اساتذہ کی تعداد بے شمار ہے۔ عبدالعزیز بن طاہر تمیمی نے ایک مستقل رسالہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے[5]۔ طحاوی کے اکثر شیوخ کو مشہور محدث ابن وہب اور سفیان بن عیینہ

---

[1] الجواہر المضیئۃ ج ۱ [2] تاریخ ابن عساکر ج ۲ و تاریخ ابن خلکان ج ۱ [3] ایضاً و کتاب الانساب والجواہر المضیئۃ ج

[4] معجم البلدان ج ۲ و الرسالۃ المستطرفۃ [5] الحاوی فی سیرۃ الامام الطحاوی

شرف تلمذ حاصل ہے[1]۔ بعض مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں:

بحیر بن نصر، سلیمان بن شعیب کیسانی، عبدالغنی بن رفاعہ، عیسیٰ بن مشرود، محمد بن عبدالحکم ہارون بن سعید ایلی، یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی وغیرہ۔

فقہ و اجتہاد کی تحصیل کے لئے پہلے امام شافعیؒ کے ممتاز ترین شاگرد اور فقہ شافعی کے جامع و مرتب امام مزنی کی جانب جو ان کے ماموں تھے متوجہ ہوئے، لیکن بعد میں قاضی ابوحازم اور احمد بن عمران وغیرہ سے اس کی تکمیل کی[2]۔

تلامذہ ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے بعض علماء نے ان پر مستقل رسالہ لکھا ہے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

احمد بن عبدالوارث زجاج، احمد بن قاسم خشاب، ابومحمد حسن بن قاسم مصری، ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، ابوالقاسم عبداللہ بن علی داؤدی، ابوسعید عبدالرحمٰن بن احمد، ابوبکر محمد بن ابراہیم مقری، ابوالحسن محمد بن احمد احیمی، محمد بن بکر، محمد بن مظفر، یوسف بن قاسم[3] میانجی۔

طلب علم کے لئے سفر مورخین نے صرف ۲۶۸ھ میں امام صاحب کے شام تشریف لے جانے کا ذکر کیا ہے مگر ان کے اساتذہ میں مصر، یمن، کوفہ، بصرہ، حجاز، شام، خراسان اور مغرب وغیرہ مختلف اسلامی ملکوں کے ارباب کمال شامل ہیں۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ انہوں نے ان میں سے اکثر مقامات کا سفر بھی کیا ہوگا، ان کے شوق و جستجو کا یہ حال تھا کہ جب کوئی محدث یا صاحب کمال مصر آتا، تو اس کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کی کوشش کرتے[4]۔

حفظ و ثقاہت ابن یونس صاحب تاریخ مصر کا بیان ہے کہ "امام طحاوی ثقہ و ثابت اور صاحب عقل و فراست تھے" مسلمہ بن قاسم قرطبی فرماتے ہیں وہ ثقہ اور نہایت جلیل القدر تھے"۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ "ثقہ و ثابت اور ماہر حفاظ حدیث میں امام طحاویؒ بھی ہیں"۔ بدرالدین عینی

---

[1] العبر ج ۲ [2] الجواہر ج ۱، ابن عساکر ج ۲ و حسن المحاضرہ ج ۱ [3] الجواہر المضیئہ ج ۱۔ والحاوی فی سیرۃ الامام الطحاوی [4] تاریخ ابن عساکر ج ۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و الحاوی۔

Marfat.com

فرماتے ہیں کہ" ان کی ثقاہت، دیانت، امانت، اور فضیلت پر سب کا اتفاق ہے" صاحب مرأۃ الزماں تحریر فرماتے ہیں کہ" لوگ ان کے علم وفن کی طرح ان کے صدق وثقاہت کے بھی معترف ہیں"[1]

اعتراف کمال تمام اکابر علماء ومحدثین ان کے علمی کمالات کے معترف تھے، مورخین کا بیان ہے کہ" ان کے بعد ان کا کوئی ہمسر اور جانشین نہیں پیدا ہو سکا" ابن ندیم فرماتے ہیں کہ" وہ علم وفضل میں بے مثال اور یکتائے روزگار تھے" علامہ عینی کہتے ہیں کہ" جن محدثین اور مورخین نے ان کا تذکرہ کیا ہے، وہ سب ان کی مدح وتوصیف میں متفق ہیں. متقدمین میں طبرانی، خطیب، حمیدی اور متاخرین میں حافظ مزی، ابن کثیر اور ذہبی وغیرہ نے ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے. حقیقت یہ ہے کہ کوئی واقف کار اور منصف مزاج شخص ان کے علم وفضل اور اوصاف وکمالات کا منکر نہیں ہو سکتا" حضرت شاہ عبد العزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ" ان کی تصنیفات ان کی دقت نظر اور علمی تبحر پر شاہد ہیں"[2]

جامعیت امام طحاوی کو جملہ اسلامی علوم اور ان کے متعلقات میں مہارت حاصل تھی مورخین اور علمائے سیر نے تفسیر، کلام، عربیت، ادب، لغت، نحو اور انساب وغیرہ میں ان کی ژرف نگاہی کا ذکر کیا ہے. ان میں سے بعض علوم میں انہوں نے مستقل کتابیں لکھیں اور ان کی فقہی وحدیثی کتابوں میں بھی ان علوم پر بحثیں ہیں. حدیث وفقہ اور اصول وشروط کے خاص طور پر بڑے ماہر تھے. حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ" انہوں نے شروط میں کتاب لکھی اور وہ اس فن میں متبحر وماہر تھے" علامہ زاہد الکوثری فرماتے ہیں:" امام طحاوی فضائل وکمالات کے جامع تھے. حدیث اور اس کے متعلقہ علوم اور فقہ اور اس کے اصول وضوابط میں علمائے امت میں بہت کم لوگ ان دونوں فنون میں ایسے جامع پیدا ہوئے. اس کا ان تمام لوگوں کو اعتراف ہے جو اس چشمۂ فیض سے

---

[1] الجواہر المضیۂ ج ۱ وکتاب الانساب والبدایہ والنہایہ ج ۱۱ وتاریخ ابن عساکر ج ۲ ۔ [2] الفہرست والحاوی و بستان المحدثین ۔

سیراب ہوئے ہیں۔[1]

زہد و اتقاء زہد و اتقاء میں بھی ان کا درجہ نہایت بلند تھا۔ ابن ندیم فرماتے ہیں کہ وہ زہد و ورع میں یکتائے زمانہ تھے۔ صاحب مراۃ الزمان کا بیان ہے کہ "ان کے زہد و تقویٰ پر لوگوں کا اتفاق ہے"۔ علامہ عینی نے ان کی دیانت، ثقاہت، امانت اور راست بازی وغیرہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔[2]

فقہی مسلک شروع میں وہ شافعی مذہب سے وابستہ تھے۔ پھر حنفی مذہب اختیار کر لیا اور اس سے ایسا مستحکم تعلق ہوا کہ اس مذہب کے اکابر فقہا اور ائمہ مجتہدین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے تمام سوانح نگاروں نے ابن یونس کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ "مصر میں حنفی مذہب کی ریاست و سیادت ان پر تمام ہو گئی"۔ حافظ ذہبی وغیرہ نے ان کو شیخ الحنفیہ لکھا ہے[3] گو اس مذہب میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء اور بکثرت ارباب کمال پیدا ہوئے، لیکن ان سب میں امام طحاوی کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیفات سے اس مذہب کی بڑی اہم خدمات انجام دیں اور اس کی ترویج و اشاعت اور تائید و حمایت میں اپنی عمر صرف کر دی، جس کا اعتراف خود علمائے احناف کو بھی ہے[4] ابن قطلوبغا کا بیان ہے وکان اماما فقیھا من الحنفیین حنفی مذہب سے شدید تعلق کے باوجود انہوں نے بعض مسائل میں اس سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس لئے ان کو مجتہد منتسب وغیرہ کہا گیا ہے۔

شافعی مذہب ترک کرنے کا سبب امام طحاویؒ کے شافعی مسلک چھوڑنے کے متعلق مورخین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ "ابتدا میں وہ اپنے ماموں اسماعیل بن یحییٰ مزنی (م ۲۶۴ھ) کے درس میں جو امام شافعیؒ کے ممتاز ترین شاگرد اور فقہ شافعی کے بانیوں میں تھے شریک ہوتے تھے۔ ایک دن انہوں نے کوئی مسئلہ بیان کیا جس کو طحاوی بار بار سمجھانے کے باوجود بھی نہیں سمجھ

---

[1] العبر ج ۲ و ابن خلکان و البدایہ ج ۱۱ و الحاوی [2] الفہرست و الحاوی [3] تاریخ ابن عساکر ج ۲ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و العبر ج ۲ [4] الجواہر المضیئہ ج ۱ و حسن المحاضرہ ج ۱۔

Marfat.com

سکے، اس پر انہوں نے بلادت وعبادت کا طعنہ دیا اور کہا کہ "بخدا تم کو کچھ نہیں آسکتا"؟ امام طحاوی اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوئے کہ مزنی کے درس میں جانا ہی ترک کر دیا، اور ابو جعفر احمد بن ابی عمران کے حلقۂ درس میں جو مصر میں حنفی مذہب کے قاضی تھے شریک ہونے لگے اور پوری محنت سے فقہ میں مشق و مہارت بہم پہنچائی اور مختصر تصنیف کر کے اپنے تمام معاصرین پر گوئے سبقت لے گئے، ایک روز وہ امام مزنی کی قبر سے گزرے تو فرمایا کہ "خدا تعالےٰ ان پر رحم کرے اگر یہ زندہ ہوتے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے"[1] علامہ ابن خلکان نے ایک دوسری وجہ یہ بھی تحریر کی ہے کہ محمد بن احمد شروطی نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنے ماموں کا مسلک کیوں ترک کیا تو فرمایا کہ میں نے خود ان کو دیکھا کہ وہ اکثر امام ابو حنیفہ کے مسلک کی کتابوں کا مطالعہ اور ان کی جانب مراجعت کرتے ہیں، اس لئے میں نے حنفیہ کا مذہب اختیار کر لیا اور اپنے ماموں اور استاد کا مسلک ترک کر دیا[2]۔

وفات | پنج شنبہ کے دن عرۂ ذوقعدہ ۳۲۱ھ کو مصر میں انتقال کیا اور قرافہ میں امام شافعیؒ کے مزار کے متصل ہی دفن کئے گئے[3]۔

اولاد | ایک صاحبزادہ ابو الحسن علی اور پوتے ابو علی حسن بن علی کا نام ضمناً ملتا ہے۔

تصنیفات | امام طحاوی جلیل القدر عالم اور بلند پایہ مصنف تھے، ان کو ان کی تصنیفات اور اہم علمی خدمات کی بنا پر بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "وہ نہایت مفید اور بیش بہا تصنیفات کے مالک تھے"۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ "ان کی تصنیفات بڑی انوکھی ہیں"۔ علامہ ابن خلکان کہتے ہیں۔ "انہوں نے متعدد مفید کتابیں لکھیں" جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ حسب ذیل ہیں:

کتاب الاشربہ[1]، کتاب التاریخ الکبیر، کتاب التسویہ بین حدثنا واخبرنا[2]، رسالہ حکم

---

[1] تاریخ ابن عساکر ج ۲ و تاریخ ابن خلکان ج ۱ و لسان المیزان ج ۱ [2] تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ایضاً

[3] البدایہ والنہایہ ج ۱۱ و تذکرۃ الحفاظ ج ۳ و تاریخ ابن خلکان ج ۱۔

Marfat.com

آراضی مکہ، رسالہ فی الرزیۃ، کتاب الشروط الاوسط، کتاب العزل، کتاب الفرائض، قسم الفئ و الغنائم، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الوصایا، مناقب ابی حنیفہ (یا) اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، اختلاف الروایات علی مذہب الکوفیین (دو جزوں میں) الرد علی عیسیٰ بن ابان (دو جزوں میں) النوادر الفقیہۃ (دس جزوں میں) النوادر والحکایات (بیس جزوں میں) کتاب فی النحل واحکامہا (چالیس جزوں میں)

کتاب نقض کتاب المدلسین، ابو علی حسین بن علی کرابیسی کی کتاب المدلسین کے رد و جواب میں ہے۔

کتاب الرد علی ابی عبید۔ ایک جزء پر مشتمل ہے۔ اس میں ابو عبید کی ان غلطیوں کی تردید کی گئی ہے جو انساب کے متعلق انہوں نے کی ہیں۔

سنن شافعی۔ یہ ان حدیثوں پر مشتمل ہے جو امام مزنی کے واسطہ سے امام شافعی سے مروی ہیں۔

شرح الجامع الصغیر۔ امام محمد بن حسنؒ کی مشہور و معرکہ الآرا کتاب الجامع الصغیر فی الفروع کی جو پندرہ سو بتیس مسائل پر مشتمل ہے، شرح ہے۔

شرح الجامع الکبیر۔ یہ بھی امام محمد صاحب کی مشہور کتاب الجامع الکبیر فی الفروع کی شرح ہے۔

کتاب الشروط الصغیر۔ اس کا نام مختصر الشروط بھی ہے۔ یہ پانچ جزوں میں ہے، مکتبہ شیخ الاسلام فیض اللہ میں موجود ہے۔

کتاب الشروط الکبیر۔ چالیس اجزاء پر مشتمل ہے یورپ سے اس کا ایک جز چھپ چکا ہے اور بعض اجزا مکتبہ علی پاشا شہید اور استنبول کے مکتبہ ملا مراد میں ہیں۔[1]

---

[1] دیکھئے الفہرست ابن ندیم والجواہر المضیۃ ج ۱ وکشف الظنون باختلاف صفحات وفوائد جامعہ برجمالہ نافعہ والحاوی فی سیرۃ الامام الطحاوی۔

Marfat.com

احکام القرآن[۲۵] بیس جزدں پر مشتمل ہے. قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ تفسیر قرآن کے موضوع پر امام طحاویؒ نے ایک ہزار اوراق لکھے تھے، علامہ زاہد الکوثری کے خیال میں احکام القرآن ان ہی اوراق کا مجموعہ ہے، لیکن بعض لوگوں کے نزدیک یہ دوسری اور مستقل کتاب ہے[۱]۔

بیان السنۃ والجماعۃ[۲۶]۔ اس کے مختلف نام ہیں اور اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں. یہ رسالہ کئی بار چھپ چکا ہے۔ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں قازان سے عمر بن اسحاق ہندی کی شرح کے ساتھ چوبیس صفحات میں شائع ہوا تھا[۲]۔ مولانا محمد شفیع صاحب نے اسی نسخہ کی مدد سے اس کا ایک ایڈیشن دیوبند سے عقیدۃ الطحاوی کے نام سے شائع کیا ہے. اس میں اہل سنت والجماعت کے عقائد، امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مذاہب، اصول اور معتقدات کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں۔

اختلاف العلماء[۲۷]۔ تیس سے زیادہ اجزاء پر مشتمل ہے. ابن ندیم نے اس کا نام کتاب الاختلاف بین الفقہاء لکھا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ یہ نہایت ضخیم کتاب ہے. امام طحاویؒ اس کو مکمل نہیں کر سکے تھے. ابوبکر جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ نے اس کا مختصر لکھا تھا جو استنبول کے مکتبہ جار اللہ ولی الدین میں موجود ہے۔ علامہ کوثری کی نظر سے یہ مختصر گزرا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "اس میں ائمہ اربعہ کی طرح دوسرے قدیم مجتہدین اور فقہاء امصار مثلاً ابراہیم نخعی، عثمان بتی، امام اوزاعی، سفیان ثوری، لیث بن سعد، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ اور حسن بن حی وغیرہ کے اقوال و مذاہب بھی نقل کئے گئے ہیں[۳]"۔ اگر آج امام طحاوی کی اصل کتاب موجود ہوتی تو اکابر علمائے متقدمین اور فقہائے امصار کے مسالک معلوم کرنے میں بڑی آسانی بھی ہوتی اور یہ کتاب ان کے اقوال کا اچھا اور عمدہ ماخذ بھی ہوتی.

کتاب المختصر فی الفقہ[۲۸] یا مختصر الطحاوی۔ اس کو امام مزنی کی مختصر کے انداز پر مرتب کیا گیا ہے۔ یہ حنفی فقہ کے فروع و جزئیات پر ایک مختصر اور جامع متن ہے اور اس میں اس مذہب کے اکابر یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور حسن بن زیاد کے اقوال و آراء نقل کئے گئے ہیں. امام طحاوی نے اقوال مختلفہ کے درمیان ترجیح بھی دی ہے۔ ائمہ کے اختلاف کی صورت میں غیر جانبدارانہ

---

[۱] الجواہر المضیئہ ۱ والحاوی ۲ کتفا القنوع و معجم المطبوعات ۳ کشف الظنون ج ۱ والفہرست والحاوی ۲ کشف الظنون ج ۲

طور پر کبھی امام ابو حنیفہؒ اور کبھی صاحبین اور کبھی ان دونوں میں سے کسی ایک کے مسلک کو راجح قرار دیا ہے۔ بعض مواقع پر ان تینوں بزرگوں کے بجائے امام زفر یا حسن بن زیاد کے قول کی تائید کی ہے، اور چند مقامات پر ان سب بزرگوں کے قول کو مرجوح سمجھ کر اپنی رائے و اجتہاد کا ذکر بھی کیا ہے، جس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال معلوم و منقول نہیں ہوتے تو اشارات، نصوص اور دوسری دلالتوں سے ان کے اقوال مستنبط کرتے ہیں، اسی خصوصیت کی وجہ سے ان کو علمائے مجتہدین میں شمار کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں۔

"اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حنفی مذہب کے مقلد ہی نہ تھے بلکہ مجتہد منتسب بھی تھے چنانچہ انہوں نے حنفی مذہب کے خلاف بھی کچھ باتیں لکھی ہیں"۔ صاحب دراسات اللبیب کا بیان ہے "امام طحاوی حنفی مذہب سے شغف رکھنے اور اس کے ماخذ مرفوع و موقوف کی تخریج کرنے کے باوجود جب اس کو حدیث کے خلاف پاتے تو رد کرنے میں کوئی تامل نہیں کرتے تھے"[1]

یہ مختصر متن حنفیہ کی صحیح و قوی روایات اور مفتی بہ و مرجع اقوال کا بڑا مستند ماخذ اور اتنے گوناگوں مسائل کا مجموعہ ہے جو دوسرے متون اور مطول کتابوں میں نہیں ملتے۔ علاوہ ازیں اس میں ترجیح کے وجوہ اور کتاب و سنت اور قیاس وغیرہ سے دلائل بھی فراہم کئے گئے ہیں اس لئے اس کو ہمیشہ مقبول اور معتبر سمجھا گیا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اس لئے اور زیادہ ہے کہ علمائے احناف میں سب سے پہلے امام طحاوی کو مختصر لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں جن کی تعداد گیارہ سے متجاوز ہے۔ یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد سے چھپ چکی ہے۔

مشکل الآثار | یہ امام طحاوی کی بڑی مشہور اور اہم کتاب ہے۔ اس کا مقصدِ تصنیف بیان کرتے ہوئے وہ خود لکھتے ہیں:۔

"ثقہ و ثابت رواۃ سے مروی مسند و مقبول حدیثوں کی معرفت وغیرہ کے متعلق لوگوں کی ناواقفیت دیکھ کر میں نے ان پر غور کیا، اس کے نتیجہ میں جو مشکلات اور حدیثوں سے جو مسائل و

---

[1] بستان المحدثین و اتحاف النبلاء المتقین۔

Marfat.com

احکام اور اہم نکات وحقائق مستنبط ہوتے، ان کو بیان کر کے ان پر عائد ہونے والے اعتراضات واشکالات کو اس میں رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی ترتیب و تصنیف میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے ایک حدیث ذکر کر کے اس کے متابعات اور موید روایتیں نقل کی گئی ہیں، پھر اس کا صحیح مدلول ومنشا متعین کر کے اس پر عائد ہونے والے شکوک کا جواب یا دوسری حدیثوں سے اس کے اختلاف کی نوعیت وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، ثبوت واستدلال اور بحث وتحقیق میں قرآنی آیات، احادیث نبوی، آثار صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین کے اقوال وآرا بیان کئے گئے ہیں اور نحوی ولغوی مسائل کی تحقیق بھی کی گئی ہے اور کلام عرب سے بھی کہیں کہیں شواہد پیش کئے گئے ہیں اسناد ومتون اور رجال وغیرہ کے متعلق بھی مفید اور ضروری معلومات نقل کئے گئے ہیں۔ مشکل الآثار کے بعض اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(۱) اس کی سب سے اہم اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اصلاً مشکلات حدیث کا تعین کر کے ان کا محققانہ جواب دیا گیا ہے، جس سے مشکلات اور دقت طلب امور بھی حل ہو گئے ہیں اور شکوک وشبہات بھی رفع ہو گئے ہیں۔

(۲) اس کتاب میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ احادیث کے اندر تضاد وتناقض نہیں ہوتا۔

(۳) استدلال وتحقیق کی حیثیت سے بھی اس کتاب کی بڑی اہمیت ہے۔ امام طحاوی تحقیق وتنقیح اور بحث واستدلال کا پورا حق ادا کر دیتے ہیں، اس کتاب میں جو اہم اور گوناگوں مسائل ومباحث بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے متعلق ماہرین فن اور ائمہ کے خیالات اور اہم کتابوں کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔

(۴) فقہی واجتہادی حیثیت سے بھی مشکل الآثار کا پایہ بہت بلند ہے، امام طحاویؒ نے فقہائے صحابہؓ وتابعین، ائمہ کبار اور مجتہدین اسلام کے اختلافات بھی بیان کئے ہیں اور ان کے درمیان توجیہ وتطبیق اور ترجیح بھی دی ہے۔ نیز وجوہ ترجیح بھی بیان کئے ہیں۔ ان کے تفقہ واجتہاد کا اس سے بھی

لہ مشکل الآثار ج ۱۔

اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بعض مسائل میں ائمہ احناف کے اقوال سے بھی اختلاف کیا ہے۔

(۵) تفسیری مباحث اور قرآنی علوم مثلاً آیتوں کی تشریح ان کے مفہوم و منشا کی توضیح قرآن کے مشکل الفاظ و کلمات کی تحقیق اور بعض استعمالات کی توضیح، سبب نزول و شان نزول کی وضاحت اور تجوید و قرأت کے مسائل پر اس میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۶) حدیث کی فنی بحثوں، اصول حدیث کے مباحث اور رجال و اسناد وغیرہ پر بھی عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔ امام صاحب جب کوئی حدیث نقل کرتے ہیں تو پہلے یہ واضح کرتے ہیں کہ حدیث صحیح ہے یا غلط، اگر صحیح ہے تو اس کے اسباب اور غلط ہے تو اس کے وجوہ و علل بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح حدیث منقطع ہے یا متصل، موقوف ہے یا مرفوع، مرسل ہے یا مسند، غریب و منکر ہے یا مقبول و مشہور، ضعیف اور فاسد الاسناد ہے یا قوی، حسن اور صحیح الاسناد، راوی ثقہ و ضابط ہے یا غیر ثقہ اور مجہول الحال، مدلس ہے یا غیر مدلس، شذ و ذو تفرد سے اس نے کام لیا ہے یا دوسرے راویوں نے اس کی متابعت و موافقت کی ہے اس کو وہم و شک ہوا ہے یا نہیں؛ نفس روایت کے اندر اس سے کیا سہو و خطا ہوئی ہے۔ راوی نے کوئی اضافہ یا کمی کی ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے۔ راوی کے ابہام، دوسرے راوی سے سماع و عدم سماع اور اسماء و اعلام کے متعلق وضاحتیں کرتے ہیں، ایک قسم کی متعدد حدیثیں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ ان کا باہمی فرق و اختلاف اور کمی بیشی نمایاں ہو جائے۔

(۷) حدیث کے مشکل و غریب الفاظ اور بعض اصطلاحی الفاظ پر ایک ماہر فن کی حیثیت سے داد تحقیق دی گئی ہے، نحو، بلاغت، معانی اور زبان کے استعمالات و اسالیب پر بھی بعض اچھی بحثیں کی گئی ہیں۔

مشکل الآثار کی سات جلدیں استنبول کے مکتبہ فیض اللہ میں موجود ہیں۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد نے صرف چار جلدیں شائع کی ہیں جو تقریباً سولہ سو بیتیس صفحات پر مشتمل ہیں، ہر جلد کے آخر میں فہرست مضامین ہے، جس کے صفحات کی مجموعی تعداد پچاس ہے۔ مرتبین نے مختصر حواشی بھی لکھے ہیں جو الفاظ و

لغات کی تشریح اور اسماء ورواۃ کے متعلق معلومات پر مشتمل ہیں. اصل متن میں جو مختصر حدیثیں ہیں ان کو حاشیہ میں مکمل درج کیا گیا ہے۔

محدث ابوالولید بن رشد مالکی نے اس کا مختصر تحریر کیا ہے جو دائرۃ المعارف سے شائع ہوا ہے، اس میں امام طحاوی پر بعض اعتراضات بھی کئے گئے ہیں، اس کا قاضی القضاۃ جمال الدین یوسف بن موسیٰ ملطی نے المعتصر من المختصر کے نام سے مختصر کیا ہے، یہ کتاب بھی دائرۃ المعارف سے ۱۳۱۸ھ میں لمبی تقطیع کے چار سو ستر صفحات میں شائع ہوئی ہے، چونکہ مشکل الآثار میں ترتیب و تبویب نہیں تھی اس لئے ابن رشد نے اس کو ابواب پر مرتب کیا تھا۔ قاضی ملطی کے مختصر میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں اور اوصاف وخصوصیات کی حدیثیں ہیں، پھر معجزات اور سنہ وفات کی روایتیں ہیں، اس کے بعد احکام وشرائع کے ابواب جدا جدا عنوانات کے تحت ہیں۔ پھر تفسیر قرآن اور اسباب نزول کے ابواب ہیں، باجی کے اعتراضات کا اس میں جواب بھی دیا گیا ہے پورے مجموعہ میں نو سو تینتیس حدیثیں ہیں، صاحب معتصر نے طویل سندیں حذف کر دی ہیں متعدد طرق و اسناد کی وہی حدیثیں نقل کی ہیں جن میں نمایاں فرق واختلاف تھا، دو مختلف روایتوں کے صرف اسی حصہ کو نقل کیا ہے جس سے ان کے اصل مدلول اور روایت کا خاص فرق وتضاد ظاہر ہوتا ہے۔

معانی الآثار اس کا نام شرح معانی الآثار بھی ہے۔ یہ امام صاحب کی سب سے اہم اور بلند پایہ کتاب سمجھی جاتی ہے، اس میں فقہ وحدیث دونوں قسم کے مباحث ہیں، اس کی اہمیت کا اندازہ علمائے فن کے ان اقوال سے ہوتا ہے۔

علامہ ابن حزم ظاہری نے اس کو سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے ہم پایہ قرار دیا ہے[1] شارح ہدایہ امیر اتقانی کا بیان ہے کہ "اگر کسی شخص کو طحاوی کی عظمتِ شان اور بلند پائیگی میں کلام ہو تو اسے معانی الآثار کا مطالعہ کرنا چاہیئے، حنفی مذہب کا کیا ذکر جملہ مذاہب میں بھی ایسی بے مثال اور بے نظیر کتاب نہیں مل سکتی"[2] علامہ عینی فرماتے ہیں "امام طحاوی کی جملہ تصنیفات نہایت عمدہ اور پُر از منفعت

---

[1] نمس الیہ الحاجہ [2] کشف الظنون ج ۲۔

Marfat.com

ہیں خصوصاً معانی الآثار کو اگر کوئی منصف مزاج شخص بغور دیکھے تو وہ اس کو حدیث کی اکثر مشہور ومقبول کتابوں سے برتر وراجح پائے گا۔ سنن ابی داؤد، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ اور اس قسم کی دوسری کتابوں پر اس کی فوقیت اور برتری بالکل عیاں ہے کیونکہ اس کے اندر وجوہ استنباط اور معارضات کی شکلیں بیان کی گئی ہیں اور ناسخ ومنسوخ میں امتیاز کیا گیا ہے اور اس قسم کے بہت سے مباحث ہیں اور یہی چیزیں معرفت حدیث کی اصل بنیاد ہیں، بعض لوگ طحاوی کی مرجوحیت کا یہ سبب بتلاتے ہیں کہ اس کے کچھ رجال ضعیف اور مرتبۂ ثقاہت سے فروتر ہیں۔ حالانکہ سنن مذکورہ کا بھی یہی حال ہے بلکہ ان کی بعض روایات کو باطل اور موضوع بھی کہا جاتا ہے اور ضعیف حدیثوں کی تو کثرت ہے۔ سنن دارقطنی، بیہقی اور دارمی وغیرہ کا اس سے کوئی مقابلہ ہی نہیں، اس کتاب کی اہمیت وعظمت کے مخفی رہ جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ عام لوگوں میں مروج نہ تھی اس لئے اس کے عجائب کا نہ تو استخراج کیا جاسکا اور نہ غرائب سے واقفیت حاصل کی گئی۔ یہ کتاب ایک طویل عرصہ تک گوشہ گمنامی میں پڑی رہی اور عام لوگ اس سے یکسر بے خبر تھے۔ مولانا انور شاہ کشمیری کا بیان ہے کہ "ہمارے نزدیک طحاوی کی مشہور کتاب معانی الآثار کا پایہ ابوداؤد کے قریب قریب ہے کیونکہ اس کے تمام رواۃ معروف ومشہور ہیں، گو بعض کے متعلق کلام بھی کیا گیا ہے، اس کے بعد ترمذی اور ابن ماجہ کا درجہ ہے۔"[1]

اس کا مقصد تالیف خود امام طحاویؒ نے یہ بیان کیا ہے۔

"مجھ سے میرے بعض احباب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احکامی روایات وآثار کا ایک مجموعہ مرتب کرنے کی فرمائش کی تاکہ ناسخ ومنسوخ اور واجب العمل روایات سے قلت واقفیت کی بنا پر ملحدین اور ضعیف الاسلام لوگوں کا یہ وہم دور ہو جائے کہ ان میں تضاد و اختلاف ہے۔ اس لئے اس کتاب میں ناسخ ومنسوخ، مطلق ومقید اور واجب العمل روایات نیز علماء کی تاویل وتوجیہ، ان کے دلائل وشواہد اور مرجح ومختار مسلک کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

---

[1] ماتمس الیہ الحاجہ [2] فیض الباری ج ۱۔

Marfat.com

ترجیح کے دلائل و وجوہ بھی نقل کئے گئے ہیں اور ثبوت و تائید میں کتاب و سنت، صحابہ و تابعین کے آثار اور اجماع وغیرہ کو پیش کیا گیا ہے[1]۔

امام طحاوی نے اس کتاب میں مختلف حیثیتوں سے احادیث کا تضاد و اختلاف دور کیا ہے اور ان کے محمل کی ایسی تعیین کی ہے جو روایات و قیاس کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے۔ طریقۂ تصنیف یہ ہے کہ پہلے اختلافی امور و مسائل میں مرجوح مسلک کی موید روایات نقل کی ہیں، اس کے بعد اس سے مختلف اور راجح مسلک کی حدیثیں اور ان کے مویدات ذکر کر کے دونوں میں محاکمہ اور ہر مذہب کے دلائل و شواہد اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ روایات کا ظاہری اختلاف بھی رفع ہو گیا ہے اور ان میں مکمل تطبیق بھی ہو گئی ہے انہوں نے توجیہ و توفیق کے مندرجہ ذیل اصول اختیار کئے ہیں:

(۱) دو قسم کی متضاد سمجھی جانے والی حدیثوں میں ایک قسم کو اولویت پر اور دوسری قسم کو غیر اولویت پر محمول کر کے فرق و تضاد کی نفی کی گئی ہے۔

(۲) احادیث مختلفہ کو مطلق و مقید، مجمل و مفصل اور خاص و عام وغیرہ پر محمول کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں۔

(۳) ناسخ و منسوخ روایات کی تعیین اور ان میں امتیاز کر کے تعارض کو دفع کیا گیا ہے۔

(۴) اگر صحیح الاسناد اور قوی روایات ضعیف اور کمزور حدیثوں کے معارض ہوں تو پہلی قسم کی حدیثوں کو قابلِ اختیار سمجھا جائے گا اور دوسری قسم کی حدیثوں کی یا تو توجیہ کی جائے گی یا مناسب توجیہ نہ ہونے کے وقت ان کو رد کر دیا جائے گا۔

(۵) اگر کوئی روایت کسی متواتر حدیث کے خلاف ہو تو متواتر کے مقابلہ میں غیر متواتر روایت کو ساقط قرار دیا جائے گا۔

(۶) اصول و کلیات شرع کے معیار پر حدیثوں کا جائزہ لے کر ان کی ایسی توجیہ کی گئی

---

[1] معانی الآثار ج ۱

کہ ظاہری اختلاف ختم ہو گیا ہے۔

معانی الآثار میں اکابر ائمہ احناف یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے آراء و مسالک کو نقل کرنے کا زیادہ التزام کیا گیا ہے اور ان بزرگوں کے اقوال کی حدیثوں سے مطابقت بھی دکھائی گئی ہے، تاہم دوسرے اکابر فقہاء امام مالک، امام اوزاعی، سفیان ثوری ابن ابی لیلیٰ اور فقہائے احناف میں امام زفر کے مذاہب کی بھی کہیں کہیں تصریح کی گئی ہے۔ اور فقہائے صحابہ و تابعین کے مذاہب بھی نقل کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت کا سب سے اہم اور نمایاں پہلو اس کی تحقیقی و استدلالی شان اور فقیہانہ و مجتہدانہ رنگ ہے۔ امام صاحب حنفی ہونے کے باوجود خود بھی مجتہد اور صاحب نظر تھے۔ اس لئے انہوں نے مختلف فیہ امور و مسائل میں محاکمہ کرکے مرجح و مختار مسلک کی نشاندہی کی ہے اور عموماً نہایت تنقیح اور پوری تحقیق کے بعد ہی کسی مسلک کو مرجح قرار دیا ہے، یہاں تک کہ اپنے ائمہ سے بھی بعض مواقع پر اختلاف کیا ہے۔

روایات کی چھان بین اور تحقیق و تفتیش میں بھی بڑی دیدہ ریزی اور دقت نظر سے کام لیا گیا ہے، ان کے متون و طرق کی معرفت، اسناد کا جائزہ، رجال و رواۃ کی تحقیق، رطب و یابس حدیثوں میں امتیاز، ارسال، انقطاع وقف اور رفع و اتصال کی نشاندہی اور روایت کے علاوہ درایت کے لحاظ سے بھی حدیثوں کو پرکھا گیا ہے۔

معانی الآثار میں حدیث و فقہ کے علاوہ تفسیر و قرأت کی بعض لطیف بحثیں بھی ہیں مشہور مفسرین صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر و قرأت کے اقوال، مختار و مرجح قرأت و تفسیر کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور سنت و حدیث کی طرح قرآنی آیات سے استنباط مسائل کیا گیا ہے، اسباب نزول اور ایام و مشاہد کا بھی ایک حد تک حسب موقع ذکر ملتا ہے۔ ابواب کی ترتیب و مطالب کی افادیت اور انداز بیان کے لحاظ سے بھی یہ ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

خصوصیات (۱) اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں احادیث و آثار کا تضاد

Marfat.com

ثابت کیا گیا ہے اور جو حدیثیں بظاہر باہم مختلف و متناقض معلوم ہوتی ہیں ان کی بنایت مناسب اور دلنشین توجیہہ و تطبیق بیان کی گئی ہے۔

(۲) گو اساطین احناف کے مسالک کے نقل کا زیادہ التزام کیا گیا ہے لیکن دوسرے فقہاء و مجتہدین کے اقوال اور خصوصاً صحابہ و تابعین کے آثار و فتاوے کی بھی صراحتہً نشاندہی کی گئی ہے۔

(۳) اقوال مختلفہ میں تطبیق اور ان کے دلائل کی تشریح کر کے مرجع مسلک کی تعیین کی گئی ہے۔

(۴) مختلف طرق، تعدد اسناد، روایت اور راوی کی قوت و ضعف کے اسباب و ناسخ و منسوخ مطلق و مقید اور خاص و عام کی وضاحت نیز علمائے جرح و تعدیل کے اقوال کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

(۵) معانی الآثار کی بعض حدیثوں سے دوسری کتب احادیث خالی ہیں۔

(۶) وضع و ترتیب کی خوبی، انداز بیان اور طرز ادا کا حسن و دلآویزی۔

معانی الآثار پر اعتراض اور اس کا جواب | معانی الآثار کی ان خصوصیات اور اہمیتوں کے باوجود اس پر بعض اعتراضات بھی کئے گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور اعتراض امام بیہقیؒ کا ہے کہ امام طحاوی نے ان حدیثوں کی جو عام محدثین کے نزدیک صحیح ہیں مگر احناف کے مسلک کے خلاف ہیں۔ تصنیف اور ان روایتوں کی جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں مگر احناف کے مسلک کی موید ہیں تصویب کی ہے لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں۔ اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے کہ امام طحاویؒ حنفی ہونے کے باوجود مجتہد بھی تھے اور اپنی انصاف پسندی کی وجہ سے بعض مسائل میں احناف کے مسلک کے مخالف حدیث ہونے کی وجہ سے مرجوح سمجھتے ہیں اور اگر کہیں ایسا واقعی ہوا ہے تو اس کی مثالیں دوسرے مذاہب کے ائمہ کے یہاں بھی ملتی ہیں۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے "امام بیہقی کی اس امام عظیم کی شان میں جس پر اکابر علماء و مشائخ نے اعتماد کیا ہے یہ کھلی ہوئی زیادتی ہے" حافظ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں: "امام طحاوی کی شان سے یہ بعید اور ان کی عظمت کے منافی ہے۔ بخدا!

Marfat.com

مجھ کو اس کتاب میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی جو امام بیہقی نے اس کے بارے میں کہی ہے"۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ "کسی عاقل و منصف مزاج شخص کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام طحاوی نے قرآن و احادیث نبویہ سے استنباط احکام کیا ہے"[1]

امام بیہقی کی تردید میں علاؤ الدین ترکمانی نے الجواہر النقی والرد علی البیہقی کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے[2]۔

معانی الآثار پر اعتراض کرنے والوں میں ایک ممتاز نام شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کا ہے ہے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ صحاح کے مقابلہ میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کی یہ رائے نقل کر دینا کافی ہے کہ "میں ابن تیمیہ کے متعلق وہی بات عرض کروں گا جو شیخ صالح نے حافظ ابن حجرؒ کے بارے میں کہی ہے۔ کہ "ان کا موطا اور صحیح میں تفریق اور مؤطا کی صحت سے انکار صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے مؤطا میں اس امعان نظر سے کام نہیں لیا ہے جب امعان نظر سے بخاری میں کام لیا ہے ورنہ ان کو موطا کی اہمیت سے انکار نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر امام ابن تیمیہؒ نے بھی صحاح ستہ کی طرح معانی الآثار پر گہری نظر ڈالی ہوتی تو وہ طحاوی اور ائمہ صحاح کے درمیان اس طرح تفریق روا نہ رکھتے، بلکہ ابن حزم کی طرح جو اگرچہ اپنے تعنت کے لئے مشہور ہیں اس کی عظمت کا اعتراف کرتے"[3]

معانی الآثار کی صحت اور اس کے رجال وغیرہ کے بارے میں بعض لوگوں کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے شارح ہدایہ امیر اتقانی لکھتے ہیں:۔

میرے نزدیک امام طحاوی پر ان لوگوں کے اعتراض و انکار کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے کہ وہ معتمد و ثقہ ہیں اور متہم نہیں ہیں اس کے علاوہ ان کا علمی پایہ بلند اور مرتبہ اجتہاد مسلم ہے۔ ورع و تقویٰ کے لحاظ سے بھی وہ فائق تھے اور مذاہب فقہ سے واقفیت میں بھی شرف و تقدم رکھتے تھے۔۔۔۔ اگر تم کو ابو جعفر کے فضل و کمال میں شک ہو تو ان کی کتاب شرح معانی الآثار

---

[1] کشف الظنون ج ۲ و ما تمس الیہ الحاجہ [2] تقریظ معانی الآثار ج ۲ [3] ما تمس الیہ الحاجہ

Marfat.com

کا مطالعہ کرو، اس کی حنفی مذہب تو کجا کسی مذہب میں بھی کوئی نظیر اور مثال تم کو نظر نہ آئے گی۔[1]

شروح تلخیصات معانی الآثار کی اہمیت کی بنا پر ہر زمانہ کے علمائے اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا ہے وہ نصاب درس میں شامل کی گئی ہے اس کے شروح وحواشی لکھے گئے اور تلخیص بھی کی گئی۔ ذیل میں اس کی شرحوں اور تلخیصات کی فہرست درج کی جاتی ہے:

(۱) علامہ بدرالدین عینی (م ۸۵۵ھ) کو اس کتاب سے بڑا شغف تھا۔ انہوں نے ایک عرصہ تک اس کا درس بھی دیا اور اس کی دو شرحیں مبانی الاخبار اور نخب الافکار کے نام سے لکھیں دونوں کے نسخے دارالکتب المصریہ میں موجود ہیں۔ پہلی کتاب آٹھ جلدوں میں اور دوسری چھ جلدوں میں ہے۔ ان کے علاوہ انہوں نے طحاوی کے رجال پر بھی ایک مستقل کتاب معانی الاخبار فی رجال معانی الآثار دو جلدوں میں لکھی اس کا ناقص نسخہ بھی دارالکتب المصریہ میں پایا جاتا ہے[2]۔ زاہدی کا بیان ہے کہ عینی نے طحاوی پر بخاری سے کم کام نہیں کیا ہے[3]۔

(۲) شیخ قاسم بن قطلوبغا حنفی (م ۸۷۹ھ) نے الایثار برجال معانی الآثار لکھی جو طحاوی کے رجال پر نہایت مفید کتاب ہے[4]۔

(۳) ابوالحسین محمد بن محمد باہلی مالکی (م ۳۲۱ھ) نے شرح تصحیح معانی الآثار جس کے متعلق بروکلمان نے لکھا ہے کہ بنکاک میں محفوظ ہے[5]۔

(۴) حافظ ابومحمد علی بن زکریا منبجی مولف لباب (م ۶۹۸ھ) بھی اس کے مشہور شارحین میں ہیں ان کی شرح کا ایک جزء آستانہ کے مکتبہ ایاصوفیا میں موجود ہے[6]۔

(۵) حافظ عبدالقادر قرشی (م ۷۷۵ھ) نے الجادی فی تخریج احادیث معانی الآثار لکھی جو بڑی عمدہ اور مفید شرح ہے۔ اس میں مصنف نے طحاوی کی حدیثوں اور سندوں کا صحاح مشہور مسانید اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ سے تعلق اور نسبت ظاہر کی ہے اس کا ایک جزء دارالکتب

---

[1] مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲ الجادی فی سیرۃ الامام الطحاوی وفہرست کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۱ ص۲ الجادی

[2] کشف الظنون ج ۲ ومقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۵ ایضاً ص۶ الجادی۔

المصریہ میں موجود ہے[1]۔

(۶) حافظ ابو عمر بن عبد البر (م ۴۶۳ھ) نے جو طحاوی کے بڑے عظمت شناس اور اکثر اپنی کتابوں میں ان کا حوالہ دیتے ہیں تلخیص کی ہے[2]۔

(۷) حافظ ابو محمد عبد اللہ بن یوسف زیلعی صاحب نصب الرایہ (م ۷۶۲ھ) کی تلخیص مکتبہ رواق اتراک اور مکتبہ کوہ بریلی میں محفوظ ہے[3]۔

(۸) شیخ الاسلام حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے اتحاف المہرہ میں اس کے اطراف کو جمع کیا ہے[4]۔

(۹) شیخ التبلیغ مولانا محمد یوسفؒ صاحب دہلوی نے عربی میں شرح امالی الاخبار فی شرح معانی الآثار لکھی ہے۔ اس کی دو جلدیں اب تک چھپ چکی ہیں۔

معانی الآثار کئی مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ ۱۳۰۲ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ نے اس کو لمبی تقطیع کی دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ دونوں جلدوں کے صفحات کی مجموعی تعداد نو سو ہے۔ مولانا وصی احمد دہلوی نے اس پر مختصر حواشی تحریر کئے ہیں۔ ان میں الفاظ و لغات کی تحقیق، اسماء و اعلام کی مختصر تشریح اور دوسرے نسخوں کے اختلاف کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] الحاوی و فہرست کتب خانہ مذیویہ مصر ج ۱ [2] الحاوی [3] ایضاً [4] ماتس الیہ الحاجہ

تذکرۃ المحدثین

جلد اوّل

مرتبہ

مولوی ضیاء الدین اصلاحی

○

نیشنل بک فاؤنڈیشن

اسلام آباد

لاہور - راولپنڈی - ملتان - کراچی - سکھر - پشاور - کوئٹہ

Marfat.com